عیّاروں کی حکومت

عیّاروں کی حکومت

داستان امیر حمزہ

حصّہ ہشتم

مقبول جہانگیر

نئی عیّاریاں

اِس حیرت انگیز داستان کے ساتویں حِصّے (شہزادہ شہریار) میں آپ پڑھ چُکے ہیں کہ نوشیرواں اصفہان سے بھاگ کر رُوم پُہنچ گیا اور عَلَم شاہ اور شہزادہ سُلطان سعد اُس کے تعاقب میں گئے۔ اِس دوران میں مالِک اژدر اور مرزبان خُراسانی نے امیر حمزہ کو جنگ میں اُلجھائے رکھا لیکن آخر میں اُن کی اِطاعت قبُول کر لی اور دینِ ابراہیمی پر ایمان لائے۔ نوشیرواں نے جب یہ خبر سُنی کہ مالِک اژدر اور مرزبان نے امیر حمزہ کی غُلامی کا حلقہ گردن میں ڈال لِیا تو اُسے بے حد صدمہ پُہنچا۔ اُس نے بختک سے کہا کہ مجھ میں اب امیر حمزہ سے مقابلہ کرنے کی ہمّت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنا سر اُس کے آگے جھکا دُوں۔ بختک نے نوشیرواں کو دلاسا دِیا اور کہنے لگا کہ آپ ابھی سے ہمّت ہار گئے؟ آپ

ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھیے کہ میں کِس طرح امیر حمزہ کا ناطقہ بند کرتا ہُوں۔ چنانچہ بختک نامراد نے کُچھ ایسی کارروائی کی کہ امیر حمزہ کی توجّہ یکایک نوشیرواں سے ہٹ کر ایک اور طرف ہو گئی۔ ہماری یہ داستان یہیں سے شُروع ہوتی ہے۔

مالِک اژدر اور مرزبان خُراسانی کے اِطاعت قبُول کر لینے کی خُوشی میں امیر حمزہ نے شان دار جشن منانے کا حکم دِیا۔ کئی دِن تک خُوب جلسے ہُوئے اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ ناگہاں تنگ ِرواحل سے خبر آئی کہ دو سگے بھائی آب دان اور تاب دان ہیں جنھوں نے بے شمار آدمی جمع کر کے ایک عظیم لشکر تیّار کیا ہے اور تنگ رواحل کے قلعے پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ جما لِیا ہے۔
امیر حمزہ یہ خبر سُن کے فکر مند ہُوئے اور اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ تُم میں سے کوئی فوج لے کر جائے اور اُن بدمعاشوں کو قلعے سے باہر نکالے۔

تب عادی پہلوان پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہُوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا۔

''بھائی حمزہ، بہُت دِن سے بیکار پڑا روٹیاں توڑ رہا ہُوں۔ اِجازت ہو تو میں جاؤں؟''

امیر حمزہ نے کہا ''عادی بھائی، مرحبا ہے۔ میرا اِرادہ لِندھور کو روانہ کرنے کا تھا مگر اب تمہاری درخواست منظور کرتا ہُوں۔ فوراً لشکر لے کر تنگ رواحل کی جانب روانہ ہو جاؤ۔''

قِصّہ مُختصر عادی پہلوان روانہ ہُوا اور جب تنگِ رواحل کے قلعے کے نزدیک پُہنچا تو دُشمن کی فوج سے گھُمسان کی جنگ ہُوئی۔ عادی پہلوان بہُت بہادری سے لڑا مگر زخمی ہو کر گِرا اور اُس کے سپاہی اُسے اُٹھا کر خیمے میں لے گئے۔ اُدھر ہرکاروں نے عادی کے زخمی ہونے کی خبر امیر حمزہ کو پہنچائی۔ وُہ بے چین ہُوئے اور فوراً عُمرو عیّار کو خبر لینے کے لِیے روانہ کیا۔ عُمرو آیا، عادی سے مِلا اور پُوچھا کہ کیا حال ہے؟ اُس نے تکلیف سے کراہتے ہُوئے جواب دِیا:

''بھائی، کُچھ نہ پوچھو۔ بڑے زبردست دُشمن سے پالا پڑا ہے۔ آب دان اور

تاب دان دونوں بڑے منجھے ہُوئے جنگ جُو ہیں اور اُن کی فوج بڑی بہادری سے لڑ رہی ہے۔ مجھے اُمّید نہیں کہ قلعہ آسانی سے ہمارے ہاتھ آئے۔"

عُمرو یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر عادی سے کہنے لگا۔ "ایک تدبیر سے قلعہ فتح ہو سکتا ہے۔ لیکن وعدہ کرو کہ حمزہ سے اِس کا ذکر نہ کروگے۔"

"وعدہ کرتا ہُوں۔ تُم بے کھٹکے بیان کرو۔" عادی نے خُوش ہو کر کہا۔

تب عُمرو کہنے لگا۔ "میں کِسی تدبیر سے قلعے میں جا کر آب دان اور تاب دان دونوں کو بے ہوش کر کے قتل کرتا ہُوں۔ تھوڑی دیر بعد تُم حملہ کر دینا۔ لوگ جانیں گے یہ دونوں بھائی لڑائی میں مارے گئے ہیں۔"

عادی یہ تدبیر سُن کر اپنی ساری تکلیف بھُول گیا اور ایک قیمتی لعل عُمرو کو دِیا۔

آدھی رات ہوئی تو عُمرو عیّاری کی گیند کے ذریعے قلعے کی فصیل پر چڑھا اور قلعے میں داخل ہو گیا۔ پھر ایک پہرے دار کا بھیس بدل کر اِدھر اُدھر گھُومنے لگا۔ آب دان اور تاب دان کا خیمہ تلاش کر کے خنجر سے قنات چاک کی۔ دیکھا کہ دونوں بے خبر سوتے ہیں۔ عُمرو نے تاب دان کو بے ہوش کیا اور

ابھی آب دان کو بے ہوش کرنے ہی والا تھا کہ عادی پہلوان نے جلد بازی سے کام لے کر اپنی فوج کو شب خُون مارنے کا حکم دے دِیا۔ عُمرو نے جلدی میں عادی کو سینکڑوں گالیاں دیں۔ اِتنے میں آب دان کی آنکھ کھُل گئی۔ عُمرو نے جلدی سے تاب دان کو قتل کیا اور وہاں سے بھاگ نِکلا۔ آب دان نے اُٹھ کر دیکھا تو بھائی مرا پڑا تھا۔ قریب ہی ایک خنجر خُون میں بھرا ہُوا مِل گیا۔ آب دان نے وُہ خنجر حفاظت سے رکھا اور خُود باہر نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عادی پہلوان کی فوج قلعے میں گھُس آئی ہے اور زور شور کی لڑائی ہو رہی ہے۔ آب دان نے اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کی کوشِش کی مگر بھائی کے مارے جانے کا صدمہ ایسا تھا کہ وُہ بدحواس ہو گیا۔ چند لمحوں میں اُس کی فوج نے ہتھیار پھینک دیے۔ آب دان جان بچا کر بھاگا۔ اِدھر قلعہ پر عادی پہلوان کا قبضہ ہو گیا۔ عُمرو نے جا کر امیر حمزہ کو خبر دی کہ قلعۂ تنگ رواحل پر عادی نے قبضہ کر لِیا ہے۔ امیر حمزہ بُہت خُوش ہُوئے۔

اُدھر آب دان سیدھا رُوم پُہنچ کر نوشیرواں کے پاس گیا اور بھائی کے مارے

جانے کا سارا قِصّہ سُنایا۔ پھر وُہ خنجر نِکال کر دِکھایا۔ بختک نے یہ خنجر دیکھا تو فوراً چِلاّ اُٹھا کہ یہ تو عُمرو عیّار کا ہے۔ دیکھو، اِس کے دستے پر عُمرو کا نام بھی کھُدا ہُوا ہے اور بالکل ایسا ہی ایک خنجر امیر حمزہ کے پاس بھی ہے۔

"اب بتایئے جناب، میں کیا کروں؟" آب دان نے نوشیر واں سے روتے ہُوئے کہا۔

نوشیر واں سوچ میں پڑ گیا اور کُچھ کہہ نہ سکا۔ آخر بختک نے کہا "میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہُوں۔ اِس پر عمل کر مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ عُمرو کو ضرور سزا دے گا۔ تدبیر یہ ہے کہ یہ خنجر حمزہ کے پاس لے جا اور کُچھ چوڑیاں اور زنانہ کپڑے بھی تیّار کر کے اپنے ساتھ رکھ۔ یہ چیزیں حمزہ کو دِکھا کر کہنا کہ آپ عُمرو عیّار کے بھروسے پر بہادری دِکھاتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ چوڑیاں پہن کر بیٹھیے۔"

غرض آب دان کو بختک نے خُوب سِکھا پڑھا کر روانہ کیا۔ وُہ امیر حمزہ کی بار گاہ میں گیا اور سارا قِصّہ کہا۔ حمزہ حیران ہُوئے۔ اُسی وقت عُمرو عیّار کو طلب کیا

اور پُوچھا کہ سچ سچ بتا کیا ماجرا ہے؟ کیا تاب دان کو تُو نے قتل کیا ہے؟ عُمرو نے اِنکار کیا۔ تب آب دان نے عُمرو کا خنجر نِکال کر حمزہ کے سامنے رکھ دِیا۔ اب تو امیر کو یقین ہو گیا کہ آب دان سچّا ہے اور عُمرو جھُوٹ بول رہا ہے۔ غُصّے میں آ کر کہنے لگے:

"تو نے میرے نام کو بٹّا لگایا۔ اب تیری سزا یہی ہے کہ تجھے باندھ کر آب دان کے حوالے کروں تاکہ وُہ تجھ سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لے۔"

عُمرو نے ناراض ہو کر کہا۔ "اے حمزہ، معلُوم ہوتا ہے تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ تُم ایک کافر کے خُون کے بدلے مجھے دُشمنوں کے حوالے کرنے پر تُل گئے ہو حالانکہ میں نے عادی کی جان بچائی کہ تمہارا دُودھ شریک بھائی ہے۔ میرا یہ احسان نہیں مانتے، اُلٹا میری جان لینے کے درپے ہو۔ خُدا کے غضب سے ڈرو۔"

عُمرو کی اِس تقریر کا امیر حمزہ پر کوئی اثر نہ ہُوا بلکہ وُہ زیادہ ناراض ہو کر بولے۔ "مجھے تمہاری کِسی بات کا یقین نہیں۔ اب زیادہ بک بک نہ کرو اور میرے

پاس آؤ تاکہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آب دان کے حوالے کروں۔"

عُمرو نے قہقہہ لگا کہ کہا۔ "کسی کی کیا مجال ہے کہ مجھے پکڑے۔ لیجئے میں رُخصت ہوتا ہُوں؟"

یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا اور ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا کوسوں دُور نِکل گیا۔ امیر حمزہ کے اشارے پر بُہت سے سپاہی اور غُلام عُمرو کو پکڑنے دوڑے مگر وُہ بھلا کِس کے ہاتھ آتا۔ تب امیر حمزہ نے آب دان سے کہا۔

"تو نے دیکھا کہ عُمرو بھاگ نِکلا۔ اب بہتر یہی ہے کہ یہ لباس اور چوڑیاں واپس لے جا کر نوشیر واں کو پہنا دے۔ اگر عُمرو میرے ہاتھ آیا تو پکڑ کر تیرے پاس بھیج دُوں گا۔" آب دان وہاں سے چلا گیا۔

اُدھر کئی روز بعد عُمرو کے بارہ سو شاگرد بھی جو امیر حمزہ کے لشکر میں تھے، عُمرو کے پاس پُہنچ گئے اور اُس سے کہنے لگے۔

"ہمارے بادشاہ تو آپ ہیں۔ ہمیں حمزہ سے کیا کام؟"

عُمرو اپنے شاگردوں کی آمد پر بے حد خُوش ہُوا۔ سب کی پیٹھ ٹھونکی۔ قلعہ زہر

مار کے حاکم پر چڑھائی کر کے اُسے شکست دی اور قلعے پر قبضہ کر کے تخت پر بیٹھا۔ اپنا خطاب شاہ جہاں اور شہریار جہاں رکھا۔ پھر اپنے سب عیّاروں کو خان کا خطاب عطا کیا۔ اِس کے بعد عیّاروں سے کہنے لگا۔

"اب ہمارا کام یہ ہے کہ امیر حمزہ کے لشکر میں جائیں اور تمام پہلوانوں اور سپہ سالاروں کو دھوکے سے پکڑ کر لے آئیں۔ میں امیر حمزہ کو پکڑ کر لاؤں گا۔"

سب عیّار اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

اُدھر جاسوسوں نے امیر حمزہ کو یہ خبری پہنچائیں اور بتایا کہ بارہ سو عیّار عُمرو کے پاس پُہنچ گئے ہیں اور اُنہوں نے قلعہ زہر مار پر قبضہ کر کے اپنی حکومت بنالی ہے۔ عُمرو نے اپنا خطاب شاہ جہان اور شہریار جان رکھ لیا ہے۔ امیر حمزہ کو بے حد تاؤ آیا۔ مُقبِل وفادار کو بُلا کر حکم دِیا کہ جِس عیّار نمک حرام کو دیکھنا، پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔ عُمرو کے یوں چلے جانے سے تمام پہلوانوں کو سخت صدمہ ہُوا۔ اُنہوں نے کہا کہ امیر حمزہ ناحق عُمرو پر خفا ہُوئے ہیں۔ اُس نے جو کیا ٹھیک کیا۔ بہتر یہی ہے کہ امیر حمزہ کو سمجھا بجھا کر اُن کا غُصّہ ٹھنڈا

کریں اور ایسی تدبیر ہو کہ عُمرو یہاں آئے اور حمزہ سے معافی مانگ لے۔ چنانچہ لِندھور، بختِ مغربی، استفتانوش، صَدَف نوش، لہراسپ، بہرام، مالِک اژدر اور مرزبان خُراسانی وغیرہ شہزادہ قباد شہریار کے پاس آئے اور سب ماجرا کہا۔

شہزادہ قباد کہنے لگا۔ "آپ لوگ خاطِر جمع رکھیں۔ میں کل ابّا جان کی خِدمت میں عرض کروں گا کہ عُمر کا قصُور معاف کر دیں۔" یہ سُن کر سب پہلوان خُوش خُوش اپنے خیموں میں آئے اور سو رہے۔

اگلے روز امیر حمزہ کا دربار لگا اور چھوٹے چھوٹے سردار آنے شُروع ہُوئے۔ لیکن بڑے پہلوانوں میں سے کوئی نہ آیا۔ امیر حمزہ پریشان ہُوئے۔ چوب داروں کو خبر لینے کے لِیے بھیجا۔ وُہ تھوڑی دیر میں روتے پیٹتے اور سروں پر خاک ڈالتے آئے اور کہا کہ سب پہلوانوں کے خیمے خالی پڑے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار بھی غائب ہے۔

امیر حمزہ سمجھ گئے کہ یہ حرکت عُمرو اور اُس کے عیّاروں کی ہے۔ غُصّے سے تھر

تھر کانپنے لگے مگر مجبور تھے۔ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اور عُمرو نے اپنے عیّاروں کو حکم دِیا کہ سب پہلوانوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کے قید خانے میں ڈال دو۔ شہزادہ شہریار کو سونے کا طوق اور زنجیر پہناؤ۔

یہ کہہ کر اُسے کُچھ خیال آیا اور وُہ لِندھور کے پاس آ کر کہنے لگا۔ ”اے لِندھور، کہو تو تمھیں آزاد کروں۔ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اِس لیے جی نہیں چاہتا کہ تُم کو قید میں رکھوں لیکن شرط یہ ہے کہ حمزہ کی اِطاعت چھوڑ کر میری اِطاعت قبُول کرو۔“

یہ سُن کر لِندھور ہنسا اور کہنے لگا۔ ”اے عُمرو، تُو نے یہ حرکت اچھّی نہ کی۔ اب بھی وقت ہے۔ حمزہ سے معافی مانگ لے۔ وُہ تجھے کُچھ نہ کہیں گے۔ میں ذمّہ لیتا ہُوں۔“

”ہرگز نہیں۔“ عُمرو نے چِلاّ کر کہا۔ ”میں حمزہ سے معافی نہیں مانگوں گا۔ میں تو اُسے بھی پکڑنے کی فکر میں ہُوں۔“

دوسرے روز عُمرو نے عیّاروں سے کہا کہ نوشیرواں اور بختک وغیرہ کو سب

سرداروں سمیت پکڑ لاؤ۔ عیّار گئے اور سب کو پکڑ لائے۔ عُمرو نے اُن کو بھی قید میں رکھا۔ آب دان کو صُبح شام کوڑے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ سب فساد تُو نے برپا کیا۔

آہستہ آہستہ عُمرو نے اپنی سلطنت وسیع کرنی شُروع کی۔ ایک بڑا لشکر تیّار کر لِیا اور چین سے حکومت کرنے لگا۔ ایک دِن گُل باد نے کہا۔

"اے اُستاد تُم اپنا کام بھول گئے۔ تُم نے کہا تھا کہ حمزہ کو پکڑ کر لاؤں گا۔"

"خُوب یاد دلایا۔" عُمرو نے کہا۔ "حکومت کے نشے میں مَیں اپنا اصل کام بھُول ہی چُکا تھا۔ آج ہی یہ کام کرتا ہوں۔"

وُہ آدھی رات کو امیر حمزہ کی بارگاہ میں آیا اور ایک خادم کی صورت اِختیار کر کے خیمے میں داخل ہُوا۔ امیر حمزہ نے ایک نظر اُسے دیکھا اور فوراً سمجھ گئے کہ خادم کے بھیس میں عُمرو ہے اُسی وقت مُقبِل وفادار کو آواز دی کہ پکڑنا جانے نہ پائے۔ مُقبِل عُمرو کی طرف لپکا مگر عُمرو چھلانگ لگا کر خیمے سے باہر نِکل گیا اور چِلاّ کر کہنے لگا۔

"اے حمزہ، مجھے معلُوم نہ تھا کہ تُم اتنی جلد میرے احسانات فراموش کر دو گے۔ اچھا، میرا نام بھی عُمرو ہے۔ تمہارا دِن کا آرام اور رات کی نیند حرام نہ کروں تو مجھے عُمرو نہ کہیو۔" یہ کہہ کر وُہ چلا گیا۔

امیر حمزہ نے مُقبِل وفادار سے کہا۔ "تُم نے سُن لِیا جو عُمرو نے کہا ہے؟ اب ہمیں بھی کُچھ انتظام کر لینا چاہیے۔ ایسا کرو کہ تُم اپنا پلنگ ہمارے پلنگ کے پاس بچھا لو یا خیمے کے دروازے پر تیر کمان لِیے بیٹھے رہو۔ جِس وقت عُمرو آئے، فوراً تیر سے نشانہ کرنا، خبردار چوکنا نہیں۔ اور اگر تُم ساری رات جاگ سکو تو میں اندر جا کر سو رہوں؟"

مُقبِل نے کہا۔ "آپ شوق سے آرام کیجئے۔ میں رات بھر جاگوں گا۔"

"کوشِش میں بھی کروں گا کہ جتنی دیر جاگ سکوں، جاگتا ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "چوں کہ عُمرو بھیس بدل کر دھوکا دینے میں کمال رکھتا ہے اِس لِیے ہم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کے لِیے کوئی نشانیاں مُقرّر کر لیں۔ جب میں اپنی ناک کا دایاں نتھنا کھجاؤں تو تُم بایاں نتھنا کھجانا اور جب میں دائیں

کان پکڑوں تو تُم اپنا بایاں کان پکڑنا۔ بس یہ نشانیاں یاد رکھو۔ اِس طرح تو کِسی بھی بھیس میں آئے وُہ ہمیں فریب نہ دے سکے گا۔"

امیر نے تو اپنی حفاظت کا یہ بندوبست کیا، اُدھر عُمرو صُبح کے وقت دربار میں آیا تو سب نے پُوچھا کہ اُستاد، رات کا حال سُنایئے؟ حمزہ کو پکڑ کر لے آئے؟ تب عُمرو نے سارا حال بیان کیا۔ شاگرد سُن کر چُپ رہے۔ عُمرو کہنے لگا۔

"میں تمہارے دِل کی بات جانتا ہُوں۔ اپنے جی میں کہتے ہو گئے کہ ہمیں تو یہ تاکید کی کہ آج ہی جا کر سب شاگردوں اور سپہ سالاروں کو پکڑ لاؤ اور اپنے سے کُچھ نہ ہو سکا۔ لیکن تُم ابھی ناسمجھ ہو۔ امیر حمزہ کا مُقابلہ اِن بے وقوف پہلوانوں سے نہ کرو۔ اُسے گرفتار کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ پھر اُسے لاؤں گا تو میں ہی لاؤں گا۔ اور اگر یقین نہ ہو تو جِن صاحب کا دِل چاہے، جا کر دیکھیں۔"

عیّاروں نے کہا۔ "حضُور، آپ جیسا اُن کو جانتے ہیں ہم کیا جانیں۔"

اگلے روز رات کو عُمرو پھر آیا۔ دیکھا کہ مُقبِل وفادار تیر کمان ہاتھ میں لِیے

ہُوئے دروازے پر بیٹھا ہے۔ عُمرو بہت دیر اِس اِنتظار میں رہا کہ مُقبِل کو نیند آئے تو خیمے میں گھسے لیکن وُہ نہایت مُستعدی سے پہرا دیتا رہا۔

تب عُمرو گھُوم کر ایک ٹیلے کے پیچھے آیا جو امیر حمزہ کے خیمے کے بالکل سامنے تھا۔ عُمرو کی پرچھائیں مُقبِل نے دیکھی تو تیر کمان سنبھال لِیا۔ اِتنے میں عُمرو نے ٹیلے کے پیچھے سے سر نِکال کر دیکھا۔ مُقبِل نے فوراً تیر چلایا۔ جو عُمرو کی گردن میں لگا۔ اُسی وقت مُقبِل چلّایا۔

"اے حمزہ، جلد آؤ۔ میں نے عُمرو کو مار گرایا۔"

امیر حمزہ بستر سے اُٹھ کر آئے اور ٹیلے کے نزدیک جا کر دیکھا تو قہقہہ مار کر ہنسے۔ وہاں عُمرو کی شکل کا ایک پُتلا پڑا تھا اور مُقبِل کا تیر اُس پُتلے کی گردن میں پیوست تھا۔ مُقبِل نہایت شرمندہ ہُوا اور دِل ہی دِل میں عُمرو کی اِس چالا کی پر آفرین کہنے لگا۔

اُدھر عُمرو موقع پا کر امیر حمزہ کے خیمے میں گھُس گیا اور ایک پردے کے پیچھے جا چھُپا۔ تھوڑی دیر بعد حمزہ آئے اور پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند

لمحے بعد عُمرو نے حمزہ کے خرّاٹے لینے کی آواز سُنی۔ تب پردے کے پیچھے سے نِکلا اور دبے پاؤں پلنگ کے نزدیک آیا۔ "دوائے بے ہوشی جیب سے نِکال کر اُن کی ناک سے لگانا چاہتا ہی تھا کہ باہر قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور مُقبِل وفادار خیمے میں آیا۔ عُمرو نے جھٹ شمعیں بجھا دیں۔ امیر حمزہ یکایک جاگ گئے اور پُکار کر کہا۔

"مُقبِل، عُمرو جانے نہ پائے۔ وُہ خیمے کے اندر موجود ہے۔"

عُمرو سخت بدحواس ہُوا اور خیمے کی قنات خنجر سے چاک کر کے بھاگ گیا۔ امیر حمزہ نے مُقبِل سے کہا۔ "دیکھا، عُمرو نے جو کہا تھا وہی کیا۔ سونا حرام کر دِیا۔"

ادھر عُمرو نے صُبح کو ساری حقیقت اپنے شاگردوں، شہزادہ قباد اور لِندھور سے کہی۔ لِندھور کہنے لگا۔ "اے عُمرو، تُم میری خاطِر اپنا قصُور امیر حمزہ سے معاف کرا لو۔"

شہزادہ قباد نے بھی لِندھور کی تائید کی۔ مگر عُمرو نے اِنکار میں گردن ہلائی اور کہا۔

”میں اُن سے ہر گز ہر گز معافی نہ مانگوں گا۔ البتہ تُم لوگ چاہو تو حمزہ کو سمجھاؤ کہ وُہ مجھ سے اُلجھنا چھوڑ دے۔“

تب شہزادہ قباد نے امیر حمزہ کی خِدمت میں بھیجنے کے لِیے اِس مضمون کا ایک خط لکھا۔ ”اے امیر، یہ خط سب سرداروں اور پہلوانوں کی جانب سے ہے۔ ہم پر رحم کیجئے اور عُمرو کا قصُور معاف کر دیجئے تا کہ ہم اِس بلا سے نجات پائیں۔“

یہ خط ایک غُلام کے ذریعے امیر حمزہ کی خِدمت میں بھیجا گیا۔ امیر حمزہ نے اِس کے جواب میں لکھا کہ میں نے تُم سب کو خُدا کے سپُرد کیا۔ اگر یُونہی موت آنی ہے تو اِس میں میرا کیا دخل ہے لیکن میں ہر گز ہر گز عُمرو کا قصُور معاف نہ کروں گا بلکہ اُس کی بوٹی بوٹی الگ کروں گا۔

امیر حمزہ کا یہ جواب عُمرو نے پڑھا تو دِل میں بے حد ڈرا۔ مگر دوسروں کو دِکھانے کے لِیے ہنسا اور کہنے لگا۔

”حمزہ مجھے بھائی کہتا ہے۔ کیا اُسے اپنے بھائی کی تِکّا بوٹی کرتے ہُوئے شرم نہ

آئے گی۔ اچھا، اب جو ہو سو ہو۔ بندہ تو گردن جھکانے کو تیّار نہیں ہے۔"

اگلے دِن عُمرو پھر شام کو چوب دار کا بھیس بدل کر امیر حمزہ کے پاس پُہنچا۔ مُقبِل اُس وقت پہرے پر موجود نہیں تھا۔ وُہ سیدھا خیمے میں گُھس گیا۔ امیر پلنگ پر لیٹے تھے۔ عُمرو دبے پاؤں اُن کے قریب گیا اور سفوفِ بے ہوشی نِکال کر ہتھیلی پر رکھا اور حمزہ کی طرف پھونک مارنا چاہتا ہی تھا کہ اُنہوں نے کروٹ بدل کر جلدی سے اُس کا ہاتھ پکڑ لِیا۔ عُمرو اپنے بدن پر خُوب تیل مل کر آیا تھا۔ اُس نے جھٹکا دِیا تو ہاتھ پھسل کر چھُوٹ گیا اور وُہ بھاگا۔ امیر حمزہ بھی اُس کے پیچھے لپکے۔ ایک جگہ عُمرو ٹھوکر کھا کر گِرا۔ حمزہ برابر پُہنچ گئے۔ عُمرو نے کوشِش کی کہ اُٹھ کر بھاگے مگر حمزہ نے اُس کا پاؤں پکڑ لِیا۔ تب عُمرو دردناک آواز میں چیخا۔

"بھائی حمزہ، خُدا کے واسطے میرا پاؤں چھوڑ دو۔ اِس میں پھوڑا ہے۔"

امیر حمزہ نے گھبرا کر پاؤں چھوڑ دِیا اور عُمرو فوراً فرار ہو گیا۔ حمزہ کو بڑی شرمندگی ہُوئی۔ تھوڑی دیر بعد مُقبِل وفادار آیا۔ امیر حمزہ نے اُس سے کہا کہ

آج عُمرو نے بڑی مکّاری سے کام کیا۔ میرے ہاتھ میں اُس کا پاؤں آ گیا تھا۔ اُس نے چِلاّ کر کہا کہ اِس میں پھوڑا ہے۔ میں نے فوراً پاؤں چھوڑ دِیا۔ مُقبِل یہ بات سُن کر ہنسنے لگا اور عُمرو کی چالاکی پر بہت حیران ہُوا۔

اگلے روز سُورج غروب ہونے کے فوراً بعد عُمرو آیا۔ دیکھا کہ امیر کی رہائش گاہ کے سامنے مُقبِل بیٹھا جاگ رہا ہے اور تیر کمان ہاتھ میں ہے۔ ''خُدا اُسے غارت کرے۔'' عُمرو نے دانت پیِس کر کہا۔ پھر ایک کونے میں جا کر اسّی سال کے بوڑھے کا بھیس بدلا اور لاٹھی ٹیکتا ہُوا مُقبِل کے پاس آیا۔ اُس نے بوڑھے کو اُوپر سے نیچے تک گھُور کر دیکھا اور کہا:

''کیوں بڑے میاں، کیسے آئے؟ کیا کام ہے؟''

بُڈّھا زار زار رونے لگا۔ مُقبِل پریشان ہُو کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔ ''بڑے میاں، روؤ نہیں۔ اپنا حال مجھ سے کہو، کیا تکلیف ہے۔''

''حضُور، میں رنگ ریز ہُوں۔۔۔'' بُڈھے نے ہچکیاں لیتے ہُوئے کہا۔ ''آج امیر کا ایک غُلام میرے پاس آیا۔ تلوار کی نوک میرے سینے پر رکھ دی اور

کہنے لگا کہ اپنی ساری جائداد میرے نام کر دے ورنہ قتل کر دُوں گا۔ حضُور میں موت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ غُلام کی مِنّت خوشامد کی کہ ذرادم لے۔ یہ تلوار میرے سینے سے ہٹا، تب بات کر۔ بڑی مُشکل سے اُسے اپنے گھر بٹھا کر یہاں فریاد کے لِیے آیا ہُوں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ اگر غُلام کو چل کر سمجھائیں کہ مجھے پریشان نہ کرے۔"

بُڈّھے کی یہ کہانی سُن کر مُقبِل غُصّے سے لال پیلا ہو گیا اور خنجر نِکال کر بولا۔ "بڑے میاں، تم بالکل نہ گھبراؤ۔ اُس غُلام کی کیا مجال کہ تمھیں ستائے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہُوں اور اِس مُوذی کو ایسی سزا دُوں گا کہ زندگی بھر نہ بھُولے گا۔"

"خُدا حضُور کو سلامت رکھے۔" بُڈّھے نے آنسو پونچھتے ہُوئے کہا اور لاٹھی ٹیکتا ہُوا چلا۔ مُقبِل اُس کے ساتھ تھا۔ راستے میں سے بُڈّھے نے زمین پر پڑا ہُوا ایک بٹوا اُٹھایا اور مُقبِل کو دیتے ہُوئے بولا:

"نہ معلُوم یہ کِس کا بٹوا ہے۔ راستے میں گِر گیا ہے۔ خاصا بھاری ہے۔"

”بڑے میاں، کھول کر دیکھو، اِس میں کیا ہے؟“مُقبِل نے کہا۔

”نہیں حضُور، میری کیا مجال جو بٹوا کھولوں۔ خُدا معلُوم کِس کا ہے۔ خواہ مخواہ مجھ پر بد دیانتی کا الزام لگے۔ آپ ہی اِسے کھولنے کا حق رکھتے ہیں۔“

مُقبِل نے بٹوا اُس کے ہاتھ سے لے لِیا اور کھولنا چاہا، مگر نہ کھُلا اور سینے سے لگا کر زور کیا تو بٹوا جھٹکے سے کھُلا اور اُس میں سے سفید سفید دھواں تیزی سے نِکل کر مُقبِل کی ناک میں گھُسا۔ وُہ اُسی وقت بے ہوش ہو کر گِرا۔ عُمرو نے مُقبِل کے کپڑے اُتار کر خُود پہن لِیے اور بے ہوش مُقبِل کو گھسیٹ کر قریب ہی کھڑی ہُوئی ایک بیل گاڑی کے نیچے ڈال دِیا۔ یہ بیل گاڑی کسانوں کی تھی جو کُچھ فاصلے پر رہتے تھے۔

اب عُمرو مُقبِل وفادار کی شکل بنا کر امیر حمزہ کے خیمے پر آیا اور غُلاموں سے کہا۔ ”میں نے بُڈّھے رنگ ریز کو اُس موذی غُلام کے ہاتھوں نجات دِلائی۔ تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا کام تمام کیا۔ یہ سُن کر سب غُلام تھر تھر کانپنے لگے اور دِل میں کہنے لگے کہ آج کل مُقبِل کا خُون کھولا ہُوا ہے۔ بہتر

یہی ہے کہ کوئی اُس کے سامنے نہ جائے۔"

اِتنے میں خیمے کے اندر سے امیر حمزہ نے غُلام کو آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ غُلام ایک پیالے میں سرد پانی بھر کے لایا اور خیمے کے اندر جانا چاہتا تھا کہ نقلی مُقبِل نے وُہ پیالہ اُس کے ہاتھ سے لے لِیا اور کہالاؤ، آج ہم حمزہ کو پانی پلائیں گے۔ غُلام سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تب نقلی مُقبِل نے اُس میں سفوفِ بے ہوشی مِلایا اور پیلا ہاتھ میں لے کر خیمے کے اندر داخل ہُوا۔

امیر حمزہ نے اُسے دیکھ کر اپنی ناک کا بایاں نتھنا پکڑا۔ عُمرو حیران ہُوا اور اُس نے اُس کا کُچھ جواب نہ دِیا۔ اِشارہ اُسے معلُوم ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ سنبھل گئے اور کہا۔ "بھائی مُقبِل، ذرا آگے تو آؤ۔" عُمرو اور آگے آیا۔ امیر حمزہ نے دِل میں سوچا شاید مُقبِل اشارے بھُول گیا ہو۔ اِس مرتبہ اُنہوں نے اپنا کان پکڑا۔ عُمرو حیران تھا۔ کُچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حمزہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کبھی ناک پکڑتے ہیں، کبھی کان۔ آخر عُمرو نے بھی سوچے سمجھے بغیر اپنا کان پکر لِیا۔ تب امیر حمزہ نے پہچان لِیا کہ یہ مُقبِل کے

بھیس میں عُمرو عیّار ہے۔ ہنس کر کہنے لگے۔

”مُقبِل بھائی، تُم ہم سے دُور دُور رہنے لگے ہو۔ ذرا قریب تو آؤ۔ کان میں ایک بات کہنی ہے۔“

عُمرو بد حواس ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ امیر حمزہ اُٹھنے لگے تب عُمرو نے پانی کا پیالہ اُن کے مُنہ پر کھینچ مارا اور بھاگ گیا۔

اب مُقبِل کا حال سُنیے۔ مُنہ اندھیرے اُسے ہوش آیا تو دیکھا کہ بیل گاڑی کے نیچے پڑا ہے۔ بدن کے کپڑے غائب ہیں اور صرف ایک لنگوٹی بندھی رہ گئی ہے۔ سمجھ گیا کہ بُڈّھے رنگ ریز کے بھیس میں عُمرو آیا اور اُس نے یہ شرارت کی ہے۔ اُدھر کسانوں نے جو دیکھا کہ ایک شخص ننگ دھڑنگ اُن کی بیل گاڑی کے نیچے سے نِکلا ہے تو وُہ سب کے سب بھاگتے ہُوئے آئے اور بے تحاشا مُقبِل کو پیٹنے لگے۔ وُہ اُسے چور سمجھ بیٹھے تھے۔

یہ دیکھ کر کہ ایک چور پکڑا گیا ہے، اِدھر اُدھر کے راہ گیر اور تماشائی بھی آن کھڑے ہُوئے۔ کِسی نے گھُونسا مارا کِسی نے لات چلائی اور کِسی نے سونٹے سے

خبر لی۔ جب مُقبِل پٹتے پٹتے ادھ مُوا ہو گیا تو اُس نے چیخ کر کہا۔

"بد بختو، مجھے بھی نہیں پہچانتے؟ میں حمزہ کا دوست مُقبِل وفادار ہُوں۔"

اُس وقت ایک دو آدمیوں نے پہچانا اور اُن کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ پھر تو کسانوں کے ہاتھوں کے طوطے بھی اُڑے اور وُہ خوف سے کانپتے ہُوئے مُقبِل کے قدموں میں گر گئے۔

بے چارہ مُقبِل پِٹ پٹا کر اور اپنا حلیہ بدلوا کر خیمے میں آیا اور سارا حال امیر حمزہ سے بیان کیا۔ وُہ بے حد ہنسے اور عُمرو کی عیّاریوں پر بے اِختیار آفرین کہی۔ پھر کہنے لگے۔

"بے شک، عُمرو کی حرکتیں اب برداشت سے باہر ہوتی جاتی ہیں۔ کِسی طرح اُس کو قابو میں لانا چاہیے۔ ورنہ وُہ ہماری زندگی اجیرن کر دے گا۔"

اِدھر تو یہ دونوں عُمرو کو پکڑنے کی تدبیروں پر غور کرتے رہے اور اُدھر اگلے روز عُمرو پھر پر رات گئے آیا اور اِس مرتبہ ایک غُلام کی شکل بنا کر امیر کے خیمے کے اندر گھُس گیا۔ دیکھا کہ امیر حمزہ اپنے پلنگ پر پڑے سو رہے ہیں۔

عُمرو نے اُنہیں بے ہوش کرنا چاہا، مگر اُن کی آنکھ کھُل گئی عُمرو وہاں سے بھاگا مگر حمزہ نے مُقبِل کو آواز دی کہ خبردار عُمرو بھاگنے نہ پائے۔ مُقبِل نے سپاہیوں اور غُلاموں کو پُکارا اور سب پلک جھپکتے میں امیر حمزہ کے خیمے کے چاروں طرف پھیل گئے۔ عُمرو خیمے کی چوب پکڑ کر اُوپر چڑھا اور چھپکلی کی مانند چھت سے چمٹ گیا۔

غُلام اور سپاہی عُمرو کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتے رہے مگر اُس کا سراغ نہ پایا۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے:

"خُدا معلُوم کہاں گیا! ہم نے اُسے خیمے سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔"

"وُہ بڑا مکّار ہے۔ تُم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نِکل گیا ہو گا۔" مُقبِل نے کہا۔ "اب تُم لوگ جاؤ اور آرام کرو، جب ضرورت ہو گی آواز دے لوں گا۔"

سپاہی سلام کر کے چلے گئے۔ مُقبِل خیمے کے اندر داخل ہُوا۔ حمزہ کہنے لگے۔ "اے مُقبِل، کِتنی رات باقی ہے۔"

"ابھی تو پہر رات گُزری ہے۔ کئی پہر باقی ہیں۔"مُقبِل نے کہا۔

"اِس عُمرو نے تو نیند غارت کر دی ہے۔ اچھا تُم باہر ہوشیاری سے بیٹھو۔ میں بھی چوکنّا رہوں گا۔"

مُقبِل باہر جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے شمع اپنے آگے رکھ لی اور ایک کتاب کھول کر پڑھنے لگے۔ عُمرو عیّار چھت سے چمٹا ہُوا اِس فکر میں تھا کہ کیا عیّاری کروں کہ امیر حمزہ پر قابو پاؤں۔ سوچتے سوچتے ایک انوکھی تدبیر دماغ میں آئی۔ زنبیل سے روئی نکالی اور اُس میں دوائے بے ہوشی مل کر پروانے اور پتنگے بنائے۔ پھر زنبیل سے کمند نکالی اور اُس سے کہا کہ اے کمند، بال سے باریک ہُو جا اور کِسی کی نظر میں نہ آ۔ پھر اُس میں پروانہ باندھ کر شمع پہ مارا۔ وُہ پھِر سے جل گیا۔ امیر حمزہ سمجھے کہ کوئی پروانہ تھا جل گیا۔ عُمرو نے اِسی طرح ساٹھ ستّر پروانے بنا کر شمع پر مارے۔ اور وُہ سب پھُر پھُر ہو کر جلے۔ آہستہ آہستہ تمام خیمے میں بُو پھیلنے لگی اور پھر امیر حمزہ کتاب پڑھتے پڑھتے یکایک بے ہوش ہو کرِ گر پڑے۔

عُمرو خُوش خُوش نیچے اُترا۔ امیر حمزہ کے ہاتھ پیر باندھ کر پُشتارہ بنایا اور اُسے زنبیل میں ڈال دِیا۔ پھر اپنی شکل حمزہ کی سی بنائی اور اِطمینان سے اُن کے پلنگ پر سو گیا۔ صُبح کو اُس نے مُقبِل کو بُلوا کہ رات کا سارا حال دُہرایا۔ اُس کے بعد اشقر دیوزار گھوڑے کو طلب کیا اور اُس پر سوار ہو کر بُرج زہر مار میں چلا آیا۔ جاتے جاتے پُکار کر مقبل سے کہتا گیا۔

"او مُقبِل بے وقوف، دیکھ میں عُمرو ہُوں اور حمزہ کو زنبیل میں ڈال کر لِیے جاتا ہُوں۔ ہو سکے تو مجھے پکڑ لے۔"

بے چارہ مُقبِل ہکّا بکّا رہ گیا عُمرو نے اشقر کو ایڑ لگائی اور آناً فاناً نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر اُس نے قلعے میں آن کر امیر حمزہ کو زنبیل سے نِکالا اور طوق و زنجیر میں جکڑنے کے بعد قید خانے میں بھیج دِیا۔ پھِر سرہنگ خان کو بُلا کر حکم دِیا کہ قلعے کے میدان میں ٹکٹکی باندھ دے اور جلّاد سے کہہ دے کہ کل وُہ اپنے کام پر حاضر ہو۔ چند آدمیوں کی گردنیں اتارنی ہیں۔ اِس حکم کے بعد عُمرو نے اپنے بھانجے ابُوالفتح خان کو طلب کیا اور اُس سے کہا کہ تو ابھی حمزہ

کے لشکر میں جا اور تمام سپاہیوں اور سرداروں سے کہہ دے کہ تُم اب ہماری نوکری کرو اور اگر منظور نہ ہو تو صاف صاف جواب دو تا کہ تُم سے جنگ کی جائے۔

ابُو الفتح خان روانہ ہُوا۔ امیر حمزہ کے غائب ہو جانے کی خبر لشکر میں پھیل چکی تھی اور سبھی خوف زدہ تھے۔۔۔ ابُو الفتح نے عُمرو کا پیغام دِیا تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم عُمرو کی نوکری کرنے کو تیّار ہیں۔ جب امیر حمزہ ہی پکڑے گئے تو عُمرو کے آگے ہماری کیا حقیقت ہے۔ وُہ سب کے سب تمام سامان لے کر عُمرو کی خِدمت میں حاضر ہو گئے۔ صرف مُقبِل وفادار اور ملکہ اطلس پوش نہ آئے۔ عُمرو نے ملکہ کو کہلا بھیجا کہ تمہارے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں ہو، وہیں بیٹھ کر مجھے دُعائیں دیتی رہو۔ تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی سرکار شاہ جہاں اور شہریار جہاں سے تُم کو مِلتی رہے گی۔

ملکہ اطلس پوش نے یہ پیغام سُنا تو غُصّے سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ کہنے لگی ”اِس نمک حرام عُمرو سے کہہ دینا کہ خُدا تجھ کو غارت کرے گا۔ اپنا روٹی کپڑا کِسی

اور کو جا کر دے۔ میں فقیرنی نہیں ہُوں۔ بادشاہ کی بیٹی ہُوں۔ میں بھی اپنے شوہر کے ساتھ قید خانے میں رہُوں گی۔"

چنانچہ ملکہ اطلس پوش اپنی تمام کنیزوں، خادماؤں اور لونڈیوں کو لے کر قلعہ بُرج زہر مار میں چلی آئی اور قید خانے میں رہنے لگی۔

یہاں عُمرو نے جلّادوں کو حکم دے دِیا تھا کہ سب سامان تیّار رکھیں۔ صُبح سویرے تمام سامان لے کر جلّاد حاضر ہُوئے اور خُونی میدان تیّار ہُوا۔ عُمرو نے سُرخ کپڑے پہنے، تاجِ شاہی سر پر رکھّا، تخت پر ننگی تلوار لے کر بیٹھا اور سب قیدیوں کو طلب کیا۔ ایک طرف نوشیرواں اور بختک وغیرہ کو اور دوسری طرف حمزہ کو تمام پہلوانوں سمیت بٹھایا گیا۔ عُمرو حمزہ کی طرف دیکھ کر مُسکرایا اور کہنے لگا:

"او حمزہ تو نے دیکھا کہ خُدا نے یہ کیا سامان کر دِیا۔ تجھ کو شاید اس دِن کی خبر نہ تھی۔ اب میری اِطاعت کر ورنہ قتل کر دُوں گا۔"

عُمرو کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ زور سے ہنسے اور جواب میں کہا۔

"یہ بھی خُدا کی قدرت ہے کہ تجھ غُلام کو میں نے اِس مرتبے پر پہنچایا۔ اگر زندگی ہے اور میں قید سے چھُوٹا تو بند بند تیرا الگ کروں گا۔"

عُمرو طیش میں آیا اور ایک جلّاد کو بُلا کر حکم دِیا کہ حمزہ کی پیٹھ پر کوڑے مارو۔ جلّاد کوڑا لے کر حمزہ کی طرف بڑھا تو عُمرو نے اُسے آنکھ کے اشارے سے منع کر دِیا کہ نہ مارنا۔ مگر زبان سے یہی کہتا رہا کہ مارو، مارتے کیوں نہیں؟ یہ تماشا دیکھ کے لِندھور اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا۔

"بس عُمرو بھائی، زیادہ نالائقی مت دِکھاؤ۔ حکومت ہو چُکی۔ اب اپنی خطا امیر حمزہ سے معاف کراؤ۔ ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ اگر کوڑا ذرا بھی اُن کے بدن سے چھویا تو ہم قید توڑ کر تُم کو مار ڈالیں گے اور بالکل لحاظ نہ کریں گے۔ اب ہماری آنکھوں میں خُون اُتر آیا ہے۔"

لِندھور کی یہ بات سُن کر عُمرو کا دِل دھڑکنے لگا۔

وُہ اُٹھ کر اندر چلا گیا اور جلّادوں کو اِشارہ کیا کہ آب دان کی پیٹھ پر کوڑے برساؤ۔ اُنھوں نے آب دان کی پیٹھ لہُو لُہان کر دی۔ برابر میں بختک نامُراد

بیٹھا تھا۔ کئی کوڑے اُس کی پیٹھ پر بھی برس گئے اور وُہ بیمار اُونٹ کی طرح بلبِلانے لگا۔ پھر عُمرو نے نوشیرواں کی طرف اِشارہ کیا اور جلّادوں نے ایک دو کوڑے اُسے بھی مار دِیے۔ تب عُمرو کِھل کھلا کر ہنسا اور اپنے سپاہیوں سے کہا۔ ”آج کا تماشا ختم ہُوا۔ اِن سب قیدیوں کو لے جاؤ اور قید خانے میں بند کر دو۔“

رات ہوئی تو عُمرو نے خواب دیکھا کہ ایک نورانی صُورت کے بُزرگ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عُمرو، حمزہ کے قدموں پر گِر اور اپنا قصُور معاف کرا لے۔ وُہ تیرا خُداوندِ نعمت ہے۔

اُدھر امیر حمزہ اور تمام پہلوانوں نے بھی یہ خواب دیکھا کہ عُمرو آئے گا اور قدموں میں گِرے گا۔ پھر ایک بُزرگ نے خواب ہی میں امیر حمزہ سے کہا۔ ”اے حمزہ، عُمرو تیرا بچپن کا ساتھی اور جان نثار ہے۔ اگر اُس نے تیری خاطِر ایک کافر کو مارا تو کیا خطا کی؟ جو ہونا تھا، وُہ ہو چُکا۔ اب تُم اُسے معاف کر کے گلے سے لگالو۔“

صُبح کو امیر حمزہ نے یہ خواب سب سے بیان کیا۔ پہلوانوں نے کہا ہم نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ اگر عُمرو معافی مانگنے کے لِیے آئے تو سمجھ لیجیے کہ یہ خواب سچّا ہے۔

ابھی یہ ذِکر ہو رہا تھا کہ عُمرو تاجِ شہنشاہی سر پر رکھے آیا اور قید خانے کا دروازہ کھلوایا۔ پھِر وُہ امیر حمزہ کے قریب پُہنچا اور قدموں پر گر کر رونے لگا۔ امیر حمزہ خاموش رہے۔ تب شہزادہ قباد شہریار اُٹھ کر آیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ ”ابّا جان، اب آپ عُمرو کو سینے سے لگا لیجیے۔“

امیر بھی یہی چاہتے تھے۔ اُنھوں نے عُمرو کو لپٹا لِیا۔ عُمرو آنسو پونچھ کر کہنے لگا۔ ”اے حمزہ، شکر کرو کہ تمہارا یہ مرتبہ خُدا نے کیا کہ تمہاری سرکار کا ایک ادنیٰ غُلام اِتنی طاقت رکھتا ہے۔“

حمزہ ہنس پڑے۔ پھر عُمرو نے لوہاروں کو طلب کیا اور حکم دِیا کہ سب کی زنجیریں کاٹو۔ مگر اِس سے پہلے کہ لوہار آئیں، امیر حمزہ، لِندھور، بہرام وغیرہ نے زور لگا کر زنجیریں توڑ ڈالیں اور آزاد ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عُمرو سنّاٹے میں آ

گیا اور دِل میں سوچا، خُدا نے بڑی خیر کی کہ میں نے حمزہ سے معافی مانگ لی ورنہ یہ لوگ تو آزاد ہونے کی قُدرت رکھتے تھے۔

اِس کے بعد عُمرو سب کو ساتھ لے کر قلعے میں آیا۔ شہزادہ قباد کو تخت پر بٹھایا اور امیر حمزہ کو سونے کی ایک عالی شان کُرسی پر۔ تمام پہلوان اور سردار دائیں بائیں بیٹھے۔ پھر حکم دِیا کہ نوشیرواں اور بختک کو حاضر کرو۔ جب وُہ سامنے آئے تو امیر حمزہ نے نوشیرواں سے کہا۔

"اے بادشاہ، تُونے دیکھا کہ خُدا نے ذِلّت اور رسوائی تیری تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اب بھی یہ غُرور چھوڑ دے اور خُدا پر ایمان لے آ۔ ورنہ تیرا حال بُرا ہو گا۔"

نوشیرواں نے گردن جھُکا لی اور کُچھ جواب نہ دِیا۔ آخر امیر حمزہ نے کہا۔

"جائیے، ہم نے آپ کو آزاد کیا۔"

نوشیرواں اپنے ساتھیوں کو لے کر عراق کی جانب چلا گیا۔ امیر حمزہ اپنے دوستوں سمیت وہاں آئے جہاں اُن کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔ خیمے دوبارہ لگائے

گئے اور جشن منانے کی تیّاریاں ہونے لگیں۔

چند روز بعد آب دان اپنے لشکر سمیت آیا اور سچّے دِل سے دینِ ابراہیمی پر ایمان لا کر امیر حمزہ کی اِطاعت کا حلقہ گردن میں ڈالا۔ اُس کے آنے سے سب کو بے حد خُوشی ہُوئی۔

قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی

امیر حمزہ اور عُمرو کو تھوڑی دیر کے لیے یہیں چھوڑ کر ہم نوشیرواں کی خبر لیتے ہیں کہ اُس پر کیا گُزری۔ امیر حمزہ نے جب اُسے آزاد کیا اور کوئی انتقام نہ لِیا تو وُہ دِل میں بے حد شرمندہ ہُوا اور امیر حمزہ کی عالیٰ ظرفی پر عش عش کرنے لگا۔ اُس نے سوچا کہ مجھے اِن حالوں پہنچانے والا یہ نامُراد بختک ہے۔ اگر میں اِس کے مشوروں پر نہ چلتا تو میری یہ گت نہ بنتی اور یوں مارامارا نہ پھرتا۔ وُہ ناراض ہو کر بختک سے کہنے لگا۔

”مردُود، اگر تو مر جائے تو میری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔ تُو نے مجھے اِس حالت کو پہنچایا۔ میں تو اپنے شہر مدائن میں عہد کر کے جا بیٹھا تھا کہ اب حمزہ کا مُقابلہ نہ کروں گا لیکن تُو نے مجھے ورغلایا اور اصفہان میں لایا۔ آخر نوبت یہاں تک

آئی کہ مجھے حمزہ کے سامنے گردن جھکانی پڑی۔ تُو نے تو مجھ سے کہا تھا کہ تُو نے نجوم کی "کتابِ نمدی" میں دیکھا ہے کہ اصفہان میں حمزہ کو شکست ہو گی لیکن وُہ پیشن گوئی جھُوٹی نِکلی۔"

بختک نے بادشاہ کے بگڑتے تیور دیکھے تو روتا ہُوا اُس کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا۔ "حضُور میں آپ کا غُلام اور جان نثار ہُوں۔ میرا دِل چیر کر دیکھ لیجئے کہ اِس میں آپ کی محبّت اور خیر خواہی کے سوا کُچھ نہیں۔ کتابِ نمدی میں تو ایسا ہی لکھا تھا مگر آپ کی تقدیر کے آگے کِسی کا کیا زور ہے۔ دیکھیے آپ کے سارے جاں نثار ایک ایک کر کے امیر حمزہ کے قدموں میں جا گِرے مگر میں اب تک آپ کے پسینے کی جگہ خُون گرانے کو تیّار ہُوں۔"

بختک کی اِن چِکنی چُپڑی باتوں سے نوشیرواں خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔

"خیر، اب جو ہُوا سو ہُوا۔ آیندہ میں حمزہ سے کوئی دُشمنی مول لینے کو آمادہ نہیں ہُوں۔"

یہ سُن کر بختک چند لمحے تک خاموش رہا، پھِر ہاتھ باندھ کر بولا۔

”مگر حضُور، میں تو آپ کے دو جاں نثاروں قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کو لکھ چُکا ہُوں کہ اپنا اپنا لشکر لے کر آئیں اور حمزہ کا تیاپانچا کریں۔ اب اُنہیں کیا مُنہ دِکھاؤں گا۔“

”میری طرف سے تُم بھی جہنّم میں جاؤ اور وُہ بھی۔۔۔۔“ نوشیرواں لے جھلّا کر کہا۔ ”جب میں ایک مرتبہ طے کر چُکا ہُوں کہ حمزہ سے جنگ نہ کروں گا تو قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کی مدد کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اب میں مدائن کو جانے کا اِرادہ کر رہا ہُوں۔ اُمّید ہے کہ تُو میرا راستہ نہ روکے گا۔“

بختک نے زیادہ بحث کرنے کی کوشِش کی تو نوشیرواں نے میان سے تلوار نِکال کر دِکھاتے ہُوئے کہا۔ ”اگر اب تُو نے لڑائی کا نام لِیا تو تیرا سر قلم کروں گا۔“ بختک مکّار ڈر کے مارے چُپ ہو رہا۔

اِس کے بعد نوشیرواں نے عراق سے کُوچ کیا اور مدائن کی طرف روانہ ہُوا۔ ساسانی سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی فوج اُس کے ساتھ تھی۔ راستے میں بختک نے فوج کے سرداروں سے کہا۔

"تُم لوگ اپنی اپنی نوکری کی فکر کرو۔ بادشاہ طے کر چُکا ہے کہ آیندہ حمزہ سے لڑائی نہ کرے گا۔ اِس لِیے فوج رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وُہ مدائن پُہنچتے ہی سب کو نوکری سے الگ کر دے گا۔"

یہ سُن کر فوجیوں کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر بختک سے کہنے لگے۔

"آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ کُچھ غریب پروری کیجیے۔ اگر بادشاہ نے ہمیں نِکال دِیا تو ہمارے بال بچّے بھُوکے مر جائیں گے۔ کوئی تدبیر ایسی کیجیے کہ بادشاہ دوبارہ حمزہ سے جنگ کرنے کے لِیے آمادہ ہو جائے۔"

بختک سوچ میں پڑ گیا۔ پھِر کہنے لگا۔ "بادشاہ کو اِس فیصلے سے ہٹانا ہے تو مُشکل کام مگر تُم لوگوں کی خاطِر مجھے اپنی جان پر کھیل کر اُس سے کہنا ہی پڑے گا۔ لیکن یاد رکھو۔ بھرے دربار میں تُم سب کو میری تائید کرنی ہو گی۔"

فوجیوں نے اِقرار کیا کہ جیسا آپ کہیں گے، ہم وہی کریں گے۔

مدائن کے لوگوں نے بڑی گرم جوشی سے نوشیرواں کا اِستقبال کیا اور جب

اُنھوں نے یہ سُنا کہ بادشاہ یہ فیصلہ کر چُکا ہے کہ آیندہ امیر حمزہ سے لڑائی نہ کرے گا تو سبھی خُوش ہُوئے اور کہنے لگے کہ اب امن امان ہو جائے گا۔

ایک دِن نوشیر واں دربار میں بیٹھا لوگوں کے مُقدمے سُن رہا تھا کہ ایک شخص روتا پیٹتا اور سر پر خاک ڈالتا آیا اور پُکار پُکار کر کہنے لگا کہ نوشیر واں عادِل کی دُہائی ہے۔

بادشاہ نے اُس سے پُوچھا "تجھ پر کیا آفت آئی ہے جو یوں شور مچاتا ہے؟ تفصیل سے بیان کر۔ ہم اِنصاف کریں گے۔"

اُس شخص نے روتے ہُوئے کہا۔ "جہاں پناہ، اب چند روز کے اندر اندر مدائن پر ایک آفت نازل ہونے والی ہے۔ میں امیر حمزہ کے لشکر کا ایک سپاہی ہُوں۔ ایک دِن میں نے سُنا کہ حمزہ اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا کہ نوشیر واں مدائن چلا گیا ہے۔ اب مزا یہ ہے کہ مدائن جا کر لُوٹ مار کریں اور بادشاہ کی گردن تن سے جُدا کریں۔ میں یہ سُن کر گھبرایا اور وہاں سے بھاگا تا کہ آپ کو خبر کروں۔"

نوشیر واں یہ سُن کر سنّاٹے میں آ گیا۔ بختک کی طرف دیکھا تو اُس نے مکّاری سے آنکھیں گھُماتے ہُوئے کہا۔ ”میں تو پہلے ہی حضُور کی خِدمت میں عرض کر چُکا ہُوں کہ حمزہ سے کِسی نیکی اور بھلائی کی اُمّید نہ رکھیے۔ وُہ اور اُس کے دوست آفت کے پر کالے ہیں۔ کبھی آپ کو چَین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ ساری دنیا میں آپ بدنام ہو رہے ہیں کہ عرب کے ایک غریب اور پھٹے حال نوجوان نے شہنشاہ ہفت کشور نوشیر واں کا ایسا ناک میں دم کیا کہ بے چارہ اپنی جان بچانے کے لِیے بھاگتا پھرتا ہے۔ آپ کی سلطنت حمزہ کی وجہ سے خاک میں مِل گئی۔ رُعب و دبدبہ ختم ہُوا۔ سب مُلک حمزہ نے چھین لِیے۔ اب وُہ آپ کی جان کے درپے ہُوا ہے۔“

دراصل بختک نے اُس شخص کو سِکھا پڑھا کر دربار میں بھیجا تھا تا کہ نوشیر واں کو بدحواس کیا جائے۔ یہ تدبیر کام یاب رہی اور امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُن کر بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اُس پر بختک کی تقریر نے اُسے اور پریشان کیا۔ وُہ گھبرا کر کہنے لگا۔

”اب بتا، میں کیا کروں؟ کِدھر جاؤں؟“

بختک نے کہا۔ ”حضُور، گھبرانے کی کیا بات ہے۔ فوج آپ پر قُربان ہونے کے لِیے تیّار ہے۔ میں پھِر قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کو خط لکھتا ہُوں۔ یہ دونوں بھائی ایسے طاقت ور اور شہ زور ہیں کہ دِیو بھی اُن کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ لِندھور اور عادی جیسے پہلوان اُن کے سامنے بچّے ہیں۔ قوِیل ہندی کا آہنی گرز ستائیس مَن کا ہے اور میں نے کتابِ نمدی میں دیکھا ہے اور سب نجُومی بھی یہی کہتے ہیں کہ قوِیل ہندی کے ہاتھوں یہ سب شکست کھائیں گے۔ کیا عجب ہے کہ اِس طرح حمزہ سے نجات مِل جائے۔“

یہ کہہ کر اُسی وقت بختک نے قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کے نام اِس مضمون کا خط لکھا کہ ”نوشیرواں شاہ ہفت کِشور کو حمزہ نے بہت تنگ کیا ہے۔ بادشاہ ہر ملک میں پناہ لینے کے لِیے بھاگتا پھرتا ہے مگر حمزہ اُسے کہیں دَم لینے نہیں دیتا۔ اب بادشاہ نے مدائن میں پناہ لی ہے مگر حمزہ کا اِرادہ ہے کہ یہاں آکر شہر کو تباہ و برباد کرے اور بادشاہ کی گردن اُڑائے۔ جتنی جلد مُمکن ہو، تُم دونوں

بھائی بادشاہ کی مدد کو پہنچو۔"

قوِیل ہندی نے یہ خط پڑھا تو اُسی وقت اپنے لشکر کو لے کر مدائن کی جانب روانہ ہُوا۔

اُدھر امیر حمزہ اپنے دوستوں کے ساتھ جنگلوں اور صحراؤں میں شکار کھیلتے پھِرتے تھے اور اُنہیں کُچھ خبر نہ تھی کہ بختک نامُراد کیا گُل کِھلا رہا ہے۔ ایک روز صحرا میں ایک شخص نمودار ہُوا اور امیر حمزہ کو ایک کاغذ دے کر چلا گیا۔ حمزہ نے کاغذ کھول کر دیکھا۔ اُس میں لکھا تھا:

"بزرُجمہر کی جانب سے اپنے فرزند حمزہ کو سلام پہنچے۔ میں تمہیں اِطّلاع دیتا ہُوں کہ تمہارے لشکر پر ایک عظیم آفت آنے والی ہے۔ اگر ایک مہینہ اور اصفہان میں رہو گے تو کوئی زندہ نہ بچے گا۔ نوشیرواں قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کو ساتھ لے کر تُم سے لڑنے کو آئے گا۔ تُم اور تمہارے سب ساتھی بیماری میں مُبتلا ہُوں گے۔ عُمرو کے مشورے سے شمال کی جانب اصفہان سے بہت دُور جا کر قیام کرو۔ خبردار اصفہان میں ہرگز نہ رہنا اور جب یہ منحوس

دِن ختم ہو جائیں۔ تب تمہیں اِختیار ہے جہاں جی چاہے رہو۔"

امیر حمزہ نے یہ خط پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔ جب شکار سے واپس آئے تو عُمرو کو اپنے پاس بُلایا اور بزرجمہر کا نام لیے بغیر کہنے لگے۔

"بھائی عُمرو ایک شفیق بُزرگ نے ہمیں کُچھ نصیحتیں کی ہیں۔ یہ کہہ کہ بزُرجمہر کا خط سُنایا۔" عُمرو ایک دم چلّا اُٹھا۔ "یا امیر، میں سمجھ گیا کہ یہ خط کِس کا ہے۔ خُدا کے واسطے جلد یہاں سے نِکل چلو۔"

یہ سُن کر حمزہ ہنسے اور کہنے لگے۔ "مگر لوگ کہیں گے کہ حمزہ قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کے ڈر سے بھاگ گیا۔ میں تو نہیں جاتا۔"

عُمرو نے اُن کی بے حد منّت سماجت کی لیکن امیر حمزہ ٹس سے مس نہ ہُوئے۔ نتیجہ یہ نِکلا کہ چند روز کے اندر اندر لشکر میں بُخار کی وبا پھیل گئی۔ تمام سردار اور پہلوان شدید بُخار میں مُبتلا ہُوئے اور بیماری کا ایسا زور بندھا کہ بے ہوشی طاری ہونے لگی۔

عُمرو نے ملکہ اطلس پوش سے کہا کہ اب سب کا خاتمہ ہُوا چاہتا ہے۔ میں حمزہ

سے کہتا ہُوں کہ یہاں سے چلیے تو ناراض ہوتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کیا کروں۔

اطلس پوش نے روتے ہُوئے کہا۔ "بھائی عُمرو، امیر حمزہ جو کہتے ہیں، کہنے دو۔ تُم فوراً لشکر کو یہاں سے روانہ کرو تاکہ اِس صحرا کی نحُوست دُور ہو۔"

ملکہ اطلس پوش کی اِجازت پاکر عُمرو نے لشکر کو روانہ کیا۔ پھِر حمزہ کو بے ہوش کرکے پالکی میں ڈالا اور شمال کی جانب چل دِیا۔

اُدھر نوشیرواں کے پاس قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی آئے اور سارا حال سُن کر امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہُوئے۔ جب وُہ اِصفہان میں پہنچے تو دیکھا کہ چند لوگ جِن کے گھر قلعے میں تھے، اپنے بال بچّوں سمیت وہاں موجُود ہیں لیکن امیر کے لشکر کا کہیں پتا نہیں۔ اُن لوگوں نے بتایا کہ سُنا ہے کہ حمزہ کا لشکر شمال کی جانب گیا ہے۔

بختک کہنے لگا۔ "میں سمجھ گیا۔ شمال کی طرف قلعۂ قضاوقدر اور شہر عدن واقع ہے۔ امیر حمزہ اُسی طرف گئے ہُوں گے۔" قویل ہندی اور دوِیل ہندی بھی

اپنی فوجوں کو لے کر تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہُوئے۔ امیر حمزہ کے لشکر میں دو آدمی ایسے تھے جو بُخار سے بچے ہُوئے تھے۔ ایک عُمرو عیّار اور دوسرا شہزادہ قباد شہر یار۔ تاہم جُوں جُوں اُن کا لشکر اصفہان کی سرزمین سے دُور ہوتا گیا، اُسی قدر بُخار کی شدّت کم ہوتی چلی گئی اور سپاہی آہستہ آہستہ تندرست ہونے لگے۔ لیکن امیر حمزہ، مالِک اژدر اور لِندھور کی حالت میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وُہ چار چار پہر بے ہوش پڑے رہتے۔ عُمرو نے سب سے کہہ دِیا ہے کہ خبردار، کوئی شخص امیر حمزہ سے یہ بات نہ کہے کہ لشکر نے اصفہان سے کوچ کر دِیا ہے۔

بائیس روز کے مُسلسل سفر کے بعد یہ لشکر ایک عظیم اور لق و دق صحرا میں پُہنچا۔ یہاں پتھر کا بنا ہُوا ایک قلعہ آسمان سے کھڑا باتیں کرتا تھا۔ اُس کا دروازہ کھُلا تھا۔ عُمرو قلعے میں آیا۔ سینکڑوں عمدہ اور عالی شان کمرے دیکھے مگر سب کے سب خالی۔ وُہ حیران پریشان قلعے میں گھُومنے لگا مگر کہیں آدمی نہ آدم زاد۔ دِل میں سوچنے لگا، یا الٰہی، اِن مکانوں کے مکینوں پر کیا آفت آئی؟

کہاں غائب ہو گئے۔

اچانک ایک جانب سے پھُنکار کی آواز سُنائی دی۔ عُمرو نے پلٹ کر دیکھا تو مارے خوف کے رگوں میں خُون جم گیا۔ ایک بہت بڑا سیاہ اژدہا سر اُٹھائے، پھن پھیلائے جھُوم رہا تھا۔ اُس کی سبز آنکھوں سے روشنی کی شعائیں پھُوٹ رہی تھیں اور لال لال زبان باہر نِکل کر لہراتی تھی۔ عُمرو وہاں سے بھاگا۔ اب جِدھر جاتا ہے، اُدھر ہزاروں لاکھوں سانپ اور بچھو نظر آتے ہیں، بڑی مُشکل سے بچتا بچاتا قلعے سے باہر آیا اور کہنے لگا۔ اب پتا چلا کہ اِنہی موذیوں کی وجہ سے قلعے کے لوگ بھاگ گئے ہیں۔ اُس نے قلعے سے کئی کوس دُور لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دِیا۔

کئی روز بعد نوشیرواں بھی اپنی فوجیں لے کر آیا اور یہاں ان کے سُنا کہ امیر حمزہ اور اُن کے پہلوان بُخار سے بے ہوش ہیں۔ قوِیل ہندی کہنے لگا کہ اب لڑائی کا کیا لُطف ہے۔ حمزہ تو بیمار ہیں۔ بختک نے خُوشی سے بغلیں بجا کر کہا۔

"یہ تو بُہت اچھّی بات ہے۔ فوراً طبلِ جنگ بجواؤ اور سب کا کام تمام کر دو۔

دُشمن کو کبھی چھوڑنا نہ چاہتے۔ جِس حال میں پاؤ، جان سے مار دو۔"

نوشیر واں نے کہا "ہاں ہاں، یہی مناسب ہے۔ بختک ٹھیک کہتا ہے۔" قوِیل ہندی حملہ کرنے کے لِیے راضی نہ ہُوا لیکن دوِیل ہندی کہنے لگا "ہمیں نوشیر واں کا حکم بجالانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے طبلِ جنگ بجوایا۔ اُس کی آواز امیر حمزہ کے کانوں میں پہنچی تو آنکھیں کھول دیں۔ عُمرو سے پُوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ تب اُس نے ساری کیفیت سُنائی اور بتایا کہ ہم لشکر کو لے کر اصفہان سے چلے آئے ہیں اور اب نوشیر واں قوِیل اور دوِیل ہندی کو ساتھ لے کر حملہ کرنے آیا ہے۔ یہ اُن کے طبلِ جنگ کی آواز ہے۔

امیر عُمرو یہ سُن کر کہنے لگے "اے عُمرو نے ہمیں بدنام کیا جو اصفہان سے لے کر چلا آیا۔ لوگ کہیں گے کہ حمزہ دُشمن کے ڈر سے بھاگ نِکلا۔ خیر، اب تُو ہمیں اُٹھا کر بِٹھا، لشکر کو لڑائی کی تیّاری کا حکم دے اور ہمیں ایسی جگہ لے جا جہاں سے لڑائی کا میدان ہماری نظروں کے سامنے رہے۔"

اِتنے میں لِندھور، بہرام، مالِک اژدر، مندیل اصفہانی، صَدَف نوش اور استفتا نوش وغیرہ سب کو خبر ہوئی اور وُہ امیر کے پاس آئے۔ اُن سب کا بیماری سے بُرا حال تھا۔ ہتھیار تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ مگر سب نے حمزہ کی حفاظت کے لیے تلواریں اپنے سامنے رکھ لیں اور قسم کھائی کہ جب تک جان میں جان ہے، حمزہ کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیں گے۔

شہزادہ قباد شہریار نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور میدانِ جنگ میں آیا۔ اُدھر سے نوشیرواں کی فوج بھی پرے باندھ کر نمودار ہوئی۔ امیر حمزہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور کہا۔

"یاالٰہی، تُو ہی فتح دینے والا ہے۔ تُو ہی مُشکل آسان کرے گا۔"

ابھی نقیب میدان میں آکر دونوں لشکروں کے بہادُروں کو مُقابلے کی دعوت دے ہی رہے تھے کہ مغرب کی جانب سے گرد کا ایک عظیم بادل اُٹھتا دِکھائی دِیا۔ اِس بادل نے سورج کا چمکتا چہرہ بھی سیاہ کر دِیا۔ معلُوم ہُوا کہ ایک عظیم لشکر آتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گرد کا پردہ چاک ہُوا اور دیکھا کہ آگے آگے

تین نقاب دار گھوڑے اُڑاتے ہُوئے چلے آتے ہیں اور اُن کے پیچھے کئی لاکھ سپاہی ہیں۔ اُن میں سے نقاب دار نارنجی پوش آگے، نقاب دار یاقُوت پوش اُس کے پیچھے اور نقاب دار سفید پوش سب سے پیچھے ہے۔

اِس لشکر کے آنے سے عجیب غُل مچا اور کِسی نے نہ جانا کہ یہ لشکر کہاں سے آیا ہے اور تین نقاب دار کون ہیں اور کِس کی مدد کو آئے ہیں۔ میدان کے ایک جانب اِس لشکر نے بھی صفیں باندھ لیں۔ تب نقاب دار یاقُوت پوش نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان کے بیچ میں آکر للکارا۔

”میں نوشیرواں کو مُقابلے کی دعوت دیتا ہُوں۔ اگر اُس میں ہمّت ہے تو سامنے آئے۔“

اِس للکار کو سُن کر امیر حمزہ کی فوج نے مسرّت سے نعرے لگائے اور نوشیرواں کی فوج بدحواس ہوگئی۔ نوشیرواں نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ تب دوِیل ہندی اپنا آہنی گُرز گھماتا ہُوا ایک سیاہ ہاتھی پر سوار میدان میں آیا اور یاقُوت پوش سے کہنے لگا۔

”او بُزدِل، تیری کیا مجال جو نوشیر واں سے مُقابلے کی جرأت کرے۔ ابھی نوشیر واں کے غُلام زندہ ہیں۔ پہلے اُن سے تو دو دو ہاتھ کرلے۔ لے سنبھل، میں آن پُہنچا۔“

یاقُوت پوش نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”بہتر ہے۔ پہلے اپنا نام پتا تو بتا دے تاکہ بے نشان نہ مارا جائے۔“

یہ سُن کر دوِیل ہندی کو تاؤ آیا۔ گُرز ہُوا میں اُچھال کر بولا ”چہرے سے نقاب اُٹھا کر بات کر۔ مُنہ کیوں چھُپاتا ہے؟ دیکھتا نہیں کہ میرے خوف سے حمزہ اور اُس کے تمام پہلوان میدان میں آنے کا حوصلہ نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن تیری قضا تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔“

نقاب دار یاقُوت پوش نے للکار کر کہا۔ ”او بے وقوف، کیا جھک مارتا ہے۔ بس، مُنہ سنبھال نہیں تو ابھی گدّی سے زبان کھینچ لوں گا۔“

اب تو دوِیل ہندی کے تلوؤں میں آگ لگی اور چوٹی تک گئی۔ گُرز گھُما کہ یاقُوت پوش کو مارا۔ اُس نے وار بچایا مگر دوِیل کا فولادی گُرز یاقُوت پوش کے

گھوڑے کی گردن پر لگا اور اُسی وقت گھوڑے کا کام تمام ہُوا۔ نوشیرواں کے لشکر نے خُوش ہو کر نعرہ مارا۔ یاقُوت پوش زمین سے اُٹھا اور ایک نیزہ اِس زور سے دوِیل کے ہاتھی پر مارا کہ اُس کی سونڈ کٹ کر گِری اور ہاتھی چنگھاڑتا ہُوا بھاگا۔ یاقُوت پوش اُس کے پیچھے لپکا اور تلوار کا ایک اور وار کیا۔ اِس مرتبہ ہاتھی نے اپنے سوار کو نیچے پھینکا اور دُشمن کی صفوں کو روندتا ہُوا نہ جانے کِدھر نِکل گیا۔

دوِیل ہندی ہاتھی کی پیٹھ پر سے گِرا تو اُس سے اُٹھا نہ گیا۔ اِتنے میں یاقُوت پوش اُس کے سر پر پُہنچ گیا اور گرج کر کہا۔

"جلد اُٹھ اور مُقابلہ کرو ورنہ تلوار تیرے سینے میں بھُونک دُوں گا۔"

دوِیل ہندی کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ بڑی مُشکل سے اُٹھا اور یاقُوت پوش سے کُشتی کرنے لگا۔ یاقُوت پوش نے اپنی تلوار پھینک دی اور زور آزمائی شُروع کی۔ یکایک اُس نے ایک زبردست نعرہ لگا کر دوِیل ہندی کو کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور ایک چکّر دے کر زمین پر دے مارا۔ اُس کی

ہڈّیاں ٹوٹنے اور چٹخنے کی آواز سب نے سُنی۔ پھر دوِیل ہندی کے مُنہ اور ناک کان سے خُون کے فوّارے چھُوٹنے لگے اور وُہ وہیں مر گیا۔

امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے یاقُوت پوش کی ہمّت اور قُوّت پر آفرین کہی۔

ابھی یاقُوت پوش اپنا سانس درست کرنے نہ پایا تھا کہ قوِیل ہندی اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لِیے طوفان کی طرح میدان میں آیا اور بڑھ کر تلوار ماری۔ ایک بار پھر یاقُوت پوش کا گھوڑا کام آیا اور وُہ پیدل ہو گیا۔ قوِیل ہندی بھی اپنے گھوڑے سے کُود کر پیدل ہو گیا اور دونوں میں اِس زور کی تلوار چلی کہ دوست دُشمن سب الاَمان الاَمان پُکار اُٹھے۔

اچانک یاقُوت پوش نے ایک زبردست نعرہ لگا کر ایسا حملہ کیا کہ قوِیل ہندی کے اوسان خطا ہُوئے اور وُہ لڑکھڑا کر پیچھے گِرا۔ اُسی لمحے یاقُوت پوش کی تلوار نے قوِیل کے جسم کے دو ٹکڑے کر دِیے۔ قوِیل ہندی کے مرنے سے امیر حمزہ کی فوج میں غُل مچ گیا اور مرحبا اور آفرین کے شور سے زمین اور

آسمان کانپ گئے۔۔

یہ دیکھ کر بختک نامُراد نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا اِشارہ کیا اور نوشیر واں کے سپاہی تلواریں کھینچ کھینچ کر میدان میں آ گئے۔ تینوں نقاب پوش بھی بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ اُدھر خُدا نے امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو ہمّت عطا کر دی اور وُہ بھی اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر آ گئے۔ دیکھتے دیکھتے لاشوں کے انبار چاروں طرف نظر آنے لگے اور خُون کی ندیاں بہہ نکلیں۔

نوشیر واں اور قوِیل ہندی دوِیل ہندی کے لشکروں میں زیادہ دیر مُقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ اپنے آدمی گاجر مُولی کی طرح کٹے جاتے ہیں تو نوشیر واں نے غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بختک سے کہا۔

"کیوں او بد ذات، یہ کیا ہُوا؟"

بختک مُسکرا کر کہنے لگا۔ "حضُور آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ آپ کے جسم پر تو خراش تک نہ آئی۔ جِن کی جانیں گئیں وُہ تو معمولی سپاہی تھے۔ اب

جو اِرادہ آپ کا ہے اُسے پورا کیجئے۔ یعنی بھاگ چلیے اور مدائن کا راستہ لیجئے۔ یہ بھی ایک تماشا تھا، سو دیکھ لیا۔"

نوشیرواں بدحواس ہو کر بھاگا اور اُس کی بچی کھُچی فوج بھی ہتھیار پھینک کر فرار ہُوئی۔ تینوں نقاب پوش اُن کے تعاقب میں روانہ ہُوئے۔ امیر حمزہ نے مُقبِل وفادار اور عُمرو عیّار کو بھیجا کہ جا کر اِن نقاب پوشوں کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

عُمرو نے قریب پُہنچ کر اُن کو روکا اور کہا کہ امیر حمزہ کا حکم ہے آگے نہ جاؤ۔ یہ سُن کر تینوں نقاب دار رُک گئے۔ عُمرو نے کہا۔

"ماشاء اللہ، آپ نے ایسی شجاعت اور جان نثاری کی کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ آیئے، امیر حمزہ آپ کو بُلاتے ہیں۔"

نقاب داروں نے ایک دُوسرے کی طرف عجیب سے اِشارے کیے۔ پھِر اُن میں سے ایک نے کہا۔ "امیر حمزہ کی خِدمت میں ہماری جانب سے سلام عرض کر کے کہنا کہ ہم آپ کے غُلام ہیں۔ پھِر کِسی وقت حاضر ہُوں گے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مُقبِل وفادار بھی قریب پُہنچ گیااور سلام کر کے کہا۔ ”امیر حمزہ فرماتے ہیں کہ تُم لوگوں کو ہمارے سر کی قسم ہے ضرور آؤ۔ اگر نہ آؤ گئے تو ہم تو تمہارے پاس آئیں گے۔“

نقاب دار کہنے لگے۔ ”وُہ کیوں تکلیف کریں۔ ہم خُود حاضر ہوتے ہیں۔“

تینوں نقاب دار امیر حمزہ کے پاس آئے اور گھوڑوں سے اُتر کر باری باری اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دِیا۔ حمزہ نے اُنہیں گلے سے لگایااور عزّت سے بٹھانے کے بعد کہنے لگے۔

”مجھے اِن نقاب داروں سے محبّت کی بُو آتی ہے اور دِل کو عجیب سی خُوشی حاصل ہوتی ہے۔“ نقاب دار یہ بات سُن کر خُوش ہُوئے۔ پھر امیر حمزہ نے کہا۔ ”اے دوستو، تُم نے مجھ پر اِس قدر احسان کیاہے کہ میں بدلہ نہیں دے سکتا۔ اب ایک احسان اور کرو اور وُہ یہ کہ نقاب اُٹھا کر اپنی اپنی شکلیں دِکھاؤ تاکہ میں اور زیادہ خُوش ہُوں۔“

یہ سُن کر نقاب دار یاقُوت پوش رونے لگا۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے اور اپنے

ہاتھ سے اُس کا نقاب اُٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران ہُوئے کہ وُہ عَلَم شاہ ہے۔ دِل میں کہا اللہ اکبر، یہ زور اور یہ قُوّت۔ پھر سفید پوش کا نقاب اُٹھایا تو وُہ لہر اسپ نِکلا۔ اُس نے کہا "اے امیر، یہ تیسر انقاب دار آپ کا پوتا ہے۔" حمزہ نے اس کا نقاب اُٹھایا تو دیکھا کہ شہزادہ سُلطان سعد ہے۔

امیر حمزہ نے دوبارہ سب کو گلے سے لگایا اور خُوب روئے۔ پھِر حکم دِیا کہ اِن نقاب داروں کے آنے کی خُوشی میں جشن منایا جائے۔ طرح طرح کے کھانے پکیں اور آتش بازی چھوڑی جائے۔

چند روز بعد سب سرداروں نے مل کر عَلَم شاہ کی دعوت کی اور طے پایا کہ لِندھور کے خیمے میں یہ دعوت ہو۔ امیر حمزہ اور شہزادہ قباد شہریار کے سوا سبھی سردار اور پہلوان دعوت میں شریک تھے۔ عُمرو عیّار نے شربت میں ایسی دوا ملائی کہ سب بہک گئے اور اول فُول بکنے لگے۔ عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اب حمزہ کو چاہیے کہ مکّے چلے جائیں اور اپنی جگہ مجھے دے دیں۔ میں رُستم

ہُوں اور جتنی طاقت مجھ میں ہے روئے زمین پر کِسی میں نہیں ہے۔ کہو تو اپنے کندھوں پر ہاتھی کو اُٹھا لُوں۔"

یہ بات سُن کہ لندھور کو جوش آیا، سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اے عَلَم شاہ، زیادہ بَک بَک نہ کر۔ تُو نے طاقت دیکھی بھی ہے یا یُونہی باتیں بناتا ہے؟ بھلا مجھ سے زیادہ زور آور حمزہ کے لشکر میں اور کون ہے۔ میں نے بھی حمزہ سے کبھی شکست نہیں کھائی ہے۔ اُن کی جگہ لینے کا حق مجھے پہنچتا ہے۔"

غرض دونوں میں خُوب تکرار ہُوئی۔ مندیل اور مہلیل نے اُنہیں سمجھانے کی کوشِش کی کہ ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔ اگر امیر حمزہ کو پتا چل گیا تو خواہ مخواہ دِل میں رنج کریں گے اور طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہُوں گی مگر لِندھور اور عَلَم شاہ نے اُن کی ایک نہ سُنی۔

دُوسرے روز مُقبِل وفادار نے ساری باتیں امیر حمزہ کو بتائیں۔ اُنہوں نے خاموشی اِختیار کی اور کُچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ اپنے راز دار دوست عُمرو سے بھی ذِکر نہ کیا کہ مجھے یہ باتیں ناگوار گُزری ہیں۔

تین چار دِن بعد صلاح ٹھہری کہ دریائے عدن پر چل کر صحت کا جشن منایا جائے۔ سب تیّار ہُوئے اور دریا پر پُہنچ گئے۔ پہلوان عادی نے لنگر لنگوٹ کسا اور دریا میں اُتر گیا۔ امیر حمزہ بھی عادی کے قریب ہی نہا رہے تھے۔ یکا یک ایک بُہت بڑی موج دریا میں اُٹھی اور اِن دونوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد دریا میں طوفان کُچھ تھما تو سرداروں اور پہلوانوں کو معلُوم ہُوا کہ امیر حمزہ اور عادی پہلوان غائب ہیں۔ سب کو تشویش ہوئی۔ دریا میں دُور دُور تک تلاش کیا مگر کُچھ پتا نہ چلا کہ یہ دونوں کہاں نِکل گئے۔

اُدھر امیر حمزہ بہتے بہتے کنارے پر پہنچے اور خشکی پر آئے۔ حیران پریشان وہاں کھڑے سوچ رہے تھے کہ یہ کون سی جگہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آتا دِکھائی دِیا۔ امیر حمزہ نے اُسے آواز دی اور کہا۔ ”اے سوار، اِدھر آ۔ مجھے کُچھ پُوچھنا ہے۔“ اُس نے کُچھ جواب نہ دیا۔ شاید یہ خیال کیا کہ کوئی ماہی گیر یا ملّاح ہے۔ گھوڑا دوڑاتا ہُوا قریب سے گُزر گیا۔ تب امیر حمزہ نے پکار کر کہا۔

”اے شخص، تجھے قسم ہے۔ ایک بات میری سُن لے۔“

اُس نے ناراض ہو کر کہا۔ ”کہہ کیا کہتا ہے؟“

یہ کہہ کر وُہ قریب آیا۔ امیر کو غُصّہ آیا۔ کہنے لگے۔ ”تو بُہت بد اخلاق ہے۔ بات کرنے کی تمیز نہیں۔“

یہ سُن کر وُہ شخص ایک دم بھڑک اُٹھا۔ کمر سے تلوار کھینچی اور حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنہوں نے وار بچا کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور تلوار چھین لی۔ پھر وہی تلوار تول کر ایک ہاتھ ایسا مارا کہ وُہ شخص زخمی ہو کر گِرا۔ یہ دیکھ کر حمزہ کو اُس کے حال پر افسوس آیا اور پچھتانے لگے کہ خُدا خیر کرے۔ ناحق یہ قتل ہُوا۔ مگر ابھی اُس میں کُچھ جان باقی تھی۔ وُہ کہنے لگا۔

”میں شرمندہ ہُوا کہ ناحق تجھ سے جھگڑا کیا۔ اب پوچھ کیا پُوچھنا چاہتا ہے؟“

امیر حمزہ اُس کے سرہانے بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ ”میں تو تجھ سے صرف اِتنا معلُوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جگہ کون سی ہے اور تُو کون ہے؟ مگر تُو نے ایسا جواب دِیا کہ مجھے غُصّہ آیا اور میرا ہاتھ تجھ پر اُٹھ گیا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔“

یہ سُن کر وُہ شخص رونے لگا اور کہا۔ ”دریا کے اِس کنارے پر دس کوس دُور شہر عدن ہے اور ایک سوداگر خواجہ خُورشید وہاں رہتا ہے۔ میں اُس کا غُلام ہُوں۔“

اِتنی بات کر کے وُہ مر گیا۔ امیر حمزہ نے اُس کے کپڑے اور سب ہتھیار لے لیے اور خُود پہن لیے ۔ پھر اُسے ریت میں گڑھا کھود کر دفنایا اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر عدن میں آئے۔ لوگوں سے پُوچھا کہ یہاں اچّھی سرائے کون سی ہے؟ سب نے اُنہیں تعجّب سے دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ کپڑے، ہتھیار اور گھوڑا خواجہ خُورشید کے غُلام کا ہے اِس شخص نے کہاں سے یہ چیزیں لیں؟ اُنہوں نے خواجہ خُورشید کو یہ خبر پہنچائی۔ وُہ اُسی وقت آیا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا۔

”اے اجنبی، سچ سچ بتا تُو کون ہے اور تُو نے میرے غلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ معلُوم ہوتا ہے تُو قزّاق ہے اور میرے غُلام کو مار کر تُو نے یہ چیزیں ہتھیا لی ہیں۔“

تب امیر حمزہ نے اُسے سارا واقعہ سُنایا۔ اُس نے فوراً سے اُن کی شکل دیکھی اور پہچان لِیا کہ واقعی یہ امیر حمزہ ہیں۔ خواجہ خُورشید سوداگر نے ایک مرتبہ مُلک اصفہان میں کُچھ سامان اُن کے ہاتھ بیچا تھا۔ اُس نے امیر حمزہ کی بے حد تعظیم کی اور کہنے لگا۔

"میں نے آپ کو پہچان لِیا۔ بے شک آپ امیر حمزہ ہیں اور شہنشاہ نوشیر واں کے داماد ہیں۔ اب آپ میرے گھر تشریف لے چلیے اور میری عِزّت بڑھایئے۔"

امیر حمزہ خواجہ خُورشید کے ساتھ اُس کے عالی شان مکان میں پہنچے۔ اُس نے کھانا لا کر سامنے رکھا۔ جب کھانے سے فارغ ہُوئے تو پُوچھا۔ "اے خُورشید اِس شہر کا بادشاہ کون ہے؟"

"جناب، قارن مدنی یہاں کا بادشاہ ہے۔" خُورشید نے جواب دِیا۔ "مجھے اچھّی طرح جانتا ہے۔ میں اکثر اُس کی خِدمت میں جایا کرتا ہُوں۔"

"خُوب خُوب۔ ہماری بھی مُلاقات بادشاہ سے کرادو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"بہُت بہتر۔" خواجہ خُورشید نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ بادشاہ آپ سے مِل کر بے حد خُوش ہو گا۔"

"اچھّا میاں سوداگر، ایک بات غور سے سُنو؟" امیر حمزہ نے کہا۔ "ہم چند روز کے لِیے دِیوانے بن جاتے ہیں۔ تُم اپنے مکان سے ایک سُرنگ شہر پناہ تک کھدواؤ۔ ہم اِس سُرنگ میں جا کر رہیں گے۔"

خواجہ خُورشید اِس عجیب فرمائش پر حیران رہ گیا۔ لیکن اُسے کُچھ اور پُوچھنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ ادب سے بولا۔

"حضُور کے اِس حکم کی بھی تعمیل کی جائے گی۔ آج ہی سے چند مزدوروں کو کام پر لگا دیتا ہُوں۔ چند روز کے اندر اندر سُرنگ کھُد جائے گی۔"

"اے سوداگر، روپے پیسے کی فکر نہ کرنا۔ جتنا خرچ ہو گا، ہم ایک ایک کوڑی ادا کریں گے۔"

قِصّہ مُختصر خواجہ خُورشید نے اپنے مکان کے اندر سے شہر پناہ کے دروازے تک سُرنگ تیّار کرا دی اور امیر حمزہ دو گھڑی رات رہے، اُس سُرنگ میں آن

کے بیٹھے اور یہ عجیب نعرہ لگایا۔

"بلالُوم۔۔۔بلالُوم۔۔۔بلالُوم۔۔۔بلالُوم۔۔۔"

اِس نعرے کی آواز سات کوس تک گئی اور سارا شہر ہِل گیا۔ لوگوں میں ہل چل مچ گئی اور اُنہوں نے خیال کیا کہ شاید زلزلہ آیا ہے۔ کہتے ہیں تین رات مُسلسل امیر حمزہ نے یہ نعرہ لگایا۔ آخر قارن مدنی کو خبر ملی۔ وُہ شہر پناہ کے دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ اُس کے نیچے ایک سُرنگ کھدی ہُوئی ہے اور اُس سُرنگ میں ایک دِیوانہ بیٹھا بلالُوم بلالُوم کا نعرہ لگاتا ہے۔ خواجہ خُورشید سوداگر بھی اُس دِیوانے کے پاس ہی بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے سوداگر سے پُوچھا۔

"یہ دِیوانہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

تب امیر حمزہ نے ایک کاغذ پر کُچھ لکھ کر نواب خواجہ خُورشید کو دِیا اور اِشارے سے کہا کہ یہ کاغذ بادشاہ کو دے دو۔ بادشاہ نے اس کاغذ کو دیکھا۔ لِکھا تھا۔

"اے قارن مدنی، ہمارا نام دِیوانہ کرکنگ ہے۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ نوشیرواں آج کل بُہت پریشان اور خُوف زدہ ہے۔ کوئی عرب امیر حمزہ نامی ہے۔ اُس

نے نوشیر واں کے کئی مُلک چھین لِیے ہیں۔ اب ہم اِس لِیے یہاں آئے ہیں کہ امیر حمزہ سے یہ ملک چھین کر واپس نوشیر واں کو دیں۔ اِس لِیے تجھے لازم ہے کہ نوشیر واں کو عدن میں آنے کی دعوت دے۔"

قارن مدنی یہ رُقعہ پڑھ کر بے حد خُوش ہُوا اور دِیوانے کی خُوب تعظیم کی۔ پھر واپس اپنے محل میں جا کر ایک چِٹھی نوشیر واں کے نام لکھ کر قاصِد کے ذریعے روانہ کی۔ قاصِد نے وُہ چِٹھی بختک وزیر کو دی۔ وُہ اُسے پڑھ کر حیران ہُوا اور آخر اُس نے نوشیر واں کو سفر پر آمادہ کر لِیا۔ چند روز بعد نوشیر واں عدن میں داخل ہُوا۔ قارن سے مُلاقات کی۔ اُس نے سارا حال بیان کیا۔ پھِر نوشیر واں کو اپنے ساتھ سُرنگ پر لایا اور دِیوانہ کر کنگ کو دِکھایا۔ دِیوانے نے نوشیر واں کو دیکھتے ہی اِس زور سے بلالُوم بلالُوم کا نعرہ مارا کہ زمین تھرّا گئی اور ڈر کے مارے بختک اور نوشیر واں کا خُون جم گیا۔ وُہ دونوں قارن سے کہنے لگے۔

"جلد میاں سے چلو ورنہ ہمارے دِل کی حرکت بند ہو جائے گی۔"

یہ سُن کے دِیوانے نے اپنی سُرخ سُرخ آنکھوں سے نوشیر واں کو گھُورا اور

کہا۔ ”اے بادشاہ، ہم تیری مدد کو آئے ہیں۔ اب فِکر نہ کیجئے۔ بُلا حمزہ کو اور تماشا دیکھ۔“

یہ سُن کر بختک خُوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ اُس نے فوراً ایک خط امیر حمزہ کے نام لِکھا اور قاصِد کے ہاتھ روانہ کیا۔ ظاہر ہے امیر حمزہ اپنے لشکر میں نہ تھے۔ اُن کی جگہ عَلَم شاہ بیٹھا تھا۔ شہزادہ قباد شہریار نے یہ خط پڑھ کر عَلَم شاہ کو دِیا۔ عَلَم شاہ نے اُسی وقت لشکر کو کُوچ کرنے کا حکم دِیا۔ غرض یہ بھی عدن میں پہنچے ،۔ قارن کو خبر ہُوئی۔ اُس نے عَلَم شاہ کو پیغام بھیجا کہ تمہیں کِس نے بُلایا تھا کہ یہاں آ گئے؟ ہم تو حمزہ کو بُلاتے ہیں۔ اُسے بھیجو۔ عَلَم شاہ نے جواب میں کہہ دِیا کہ حمزہ دریا میں ڈوب گئے۔ اب میں نے اُن کی گدّی سنبھالی ہے۔ جرأت ہے تو میرے سامنے آؤ۔

بختک نے جب امیر حمزہ کے دریا میں ڈوبنے کی خبر سُنی تو اُسے یقین نہ آیا۔ دِل میں کہنے لگا، ضرور کوئی چال ہے۔ ورنہ حمزہ ایسا شخص نہیں جو دریا میں ڈوب جائے۔ اچھّا خیر، دیکھا جائے گا۔ اُس نے یہ تمام باتیں دِیوانہ کرکنگ کو

جا کر بتائیں۔ دِیوانے نے حکم دِیا کہ طبلِ جنگ بجواؤ۔ ہم عَلَم شاہ کا کَس بَل دیکھیں گے۔

بختک نے طبلِ جنگ بجوایا اور دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ قارن نے اپنے ایک پہلوان طوفان عدنی کو اِشارہ کیا کہ میدان میں نکلے اور مُقابلے کے لِیے للکارے۔ طوفان عدنی گرجتا برستا میدان میں آیا اور للکار کر کہا۔

"جِسے موت کی آرزو ہے، میرے سامنے آئے۔ دم کے دم میں دوسری دنیا کو پُہنچا دُوں گا۔"

ابھی یہ للکار مُشکل سے ختم ہوئی تھی کہ صحرا کی جانب سے گرد اُڑی اور اِس میں سے دِیوانہ کرکنگ نمودار ہُوا۔ اُس نے آتے ہی طوفان مدنی کے ایک گھُونسا ایسا مارا کہ اُس نے زمین پر ستّر قلابازیاں کھائیں اور ڈھیر ہو گیا۔ قارن مدنی نے غُل مچایا کہ یہ دِیوانہ عجب بے ہُودہ آدمی ہے۔ میرے ہی پہلوان کو ہلاک کر دِیا۔ تب دِیوانے نے قارن سے کہا۔

"کیا اِس پہلوان کو معلُوم نہ تھا کہ ہم میدان میں آنے والے ہیں۔ پھر یہ

ہماری اِجازت کے بغیر کیوں نِکلا؟ اِس کی سزا یہی تھی۔"

یہ سُن کر قارن مدنی ڈر کے مارے خاموش ہو رہا۔ اِتنے میں دِیوانہ عَلَم شاہ کی فوج کے سامنے آیا اور پُوری قُوّت سے چلّایا۔

"بلالُوم۔۔۔ بلالُوم۔۔۔ بلالُوم۔۔۔"

یہ نعرہ اِس غضب کا تھا کہ عَلَم شاہ کا کلیجا بھی بیٹھ گیا۔ اُس نے سُلطان سر برہنہ کو اِشارہ کیا کہ میدان میں نِکل اور دِیوانے کا مقابلہ کر۔ سر برہنہ شمشیر لے کر میدان میں آیا اور دِیوانے کے رُوبرو پُہنچ کر بولا۔

"تُو صِرف نعرے لگانا جانتا ہے یا کُچھ بہادُری بھی دِکھلائے گا؟"

دِیوانہ یہ سُن کر طیش میں آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بھاری لکڑی تھی رہی ماری۔ سر برہنہ نے اپنا سر بچایا۔ لکڑی اُس کے گھوڑے کی گردن پر لگی۔ گھوڑا اُلٹ کر گِرا اور مر گیا۔ سر برہنہ دھڑام سے گھوڑے کے ساتھ ہی گِرا۔ دِیوانے نے لپک کر اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور قارن کے سپاہیوں کے حوالے کیا۔

تھوڑی دیر بعد طپش دِیوانہ میدان میں آیا۔ دِیوانہ کرکنگ نے اُس کا بھی یہی حشر کیا۔ پھِر طوفان بِن بہمَن نِکلا۔ اُسے بھی باندھا۔ اِسی طرح شام ہونے تک کرکنگ نے عَلَم شاہ کے سات پہلوانوں کو شکست دے کر باندھا اور قارن کے لشکر میں بھیجا۔ جونہی سُورج غروب ہُوا بختک نے واپسی کا طبل بجوایا۔ دیوانہ کرکنگ اپنی سُرنگ اور نوشیرواں قارن کے ساتھ محل میں واپس آیا۔ بختک نامُراد نے موقع پاکر تنہائی میں نوشیرواں سے کہا۔

"حضُور، آپ نے کچھ دیکھا اور سمجھا؟ مجھے تو یہ کرکنگ دِیوانہ حمزہ معلُوم ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس میں کیا راز ہے؟"

نوشیرواں نے ناراض ہو کر کہا "تو ہمیشہ عقل کے پیچھے لٹھ لِیے دوڑا کرتا ہے۔ بھلا کہاں حمزہ اور کہاں یہ دِیوانہ۔"

"مُمکن ہے آپ کا اِرشاد درست ہو۔" بختک نے کہا۔ "مگر ایک تدبیر میں عرض کرتا ہُوں۔ اِس دِیوانے سے کل کہیے کہ وُہ گرفتار ہونے والے سات پہلوانوں میں سے کِسی ایک کو قتل کر دے۔ اگر وُہ قتل کر دے تو سمجھ لیجیے کہ

حمزہ نہیں کوئی اور ہے۔ اور اگر یہ دِیوانہ حمزہ ہے تو وُہ اِن پہلوانوں میں سے کِسی کو قتل نہ کرے گا۔"

اگلے روز نوشیر واں سُرنگ کے نزدیک گیا اور دِیوانے سے وہی بات کہی۔ دِیوانے نے گھُور کر بختک کی طرف دیکھا اور گرج کر کہا۔ "اے نوشیر واں، معلُوم ہوتا ہے یہ بات تجھے اِس بد معاش وزیر نے بتائی ہے۔ یہ سات پہلوان تو کیا چیز ہیں۔ کہے تو حمزہ کے لشکر کے ایک ایک سپاہی کو قتل کر دُوں۔ مگر ابھی مجھے اِجازت نہیں ہے۔ جب اِجازت مِلے گی تب تجھے کہنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ابھی تُو اِن پہلوانوں کو قید میں رکھ اور جا کر طبلِ جنگ بجوا۔"

دِیوانے کی باتیں بختک نے سُنیں تو چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "جناب، میں آپ کا غُلام ہُوں۔ بادشاہ کو یہ مشورہ دینا میرا فرض ہے۔"

"زیادہ بَک بَک نہ کرو اور یہاں سے دفان ہو جاؤ۔" دِیوانہ گرج اُٹھا اور بختک کو مارنے کے لِیے اپنی لکڑی اُٹھائی۔ بختک وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور

نوشیرواں نے طبلِ جنگ بجانے کا حکم دِیا۔ تھوری دیر میں میدانِ جنگ دونوں فوجوں کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے گُونج رہا تھا۔ اُس روز دِیوانے نے حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کئی سرداروں اور جوانوں کو چُٹکی بجاتے ہیں باندھ کر ڈال دِیا۔ یکایک سُلطان سعد نے عَلَم شاہ سے کہا۔

"چچا جان، یہ دِیوانہ تو ہمارے ہر پہلوان کو قید کرتا چلا جاتا ہے۔ اِجازت ہو تو اِس کے مُقابلے کے لیے میں میدان میں نِکلوں؟"

"نہیں بیٹا، تُم ابھی کم عُمر اور ناتجربہ کار ہو۔ اِس دِیوانے سے کیوں کر جیت سکو گے۔" عَلَم شاہ نے جواب دِیا۔ مگر وُہ نہ مانا اور مُقابلہ کرنے کے لِیے ضِد کرنے لگا۔ مجبور ہو کر عَلَم شاہ نے سعد کو اِجازت دے دی اور وُہ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آیا۔

دِیوانہ کرکنگ نے حیرت سے سعد کو دیکھا اور چُپکے سے مُسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔ "اے بچّے، کیا حمزہ کے لشکر میں کوئی بڑا آدمی باقی نہیں رہا جو تجھے لڑنے کو بھیجا ہے۔ مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ واپس چلا جا اور کِسی بڑے

پہلوان کو بھیج۔"

سعد نے بے خوفی سے جواب دِیا۔ "اے دِیوانے، میری عُمر اور ناتجربہ کاری پر مت جا۔ میں نے بڑے بڑے شہ زور پہلوانوں کی گردنیں جھکائی ہیں۔ خُدا کو منظور ہو گا تو تیری گردن بھی نیچی کروں گا۔ اب زیادہ وقت ضائع نہ کر اور وار کر۔"

"اچھّا تو پھر سنبھل۔ دِیوانے نے کہا اور اپنی لکڑی کا وار کیا۔ سعد نے وار بچایا مگر اُس کا گھوڑا اُلٹ کر گِرا اور مر گیا۔ تب سعد نے چھلانگ لگائی اور دِیوانے سے لپٹ کر کُشتی لڑنے لگا۔ دِیوانہ دیر تک سعد کو ایک اُستاد کی طرح زور کراتا رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ سعد بُری طرح تھک گیا ہے اور کانپنے لگا ہے تو اُسے باندھا اور قارن مدنی کے حوالے کیا۔

بختک نے خُوشی سے پھِر بغلیں بجائیں اور واپسی کا طبل بجوایا۔ اس کے بعد اپنا وہی شُبہ نوشیرواں پر ظاہر کیا کہ یہ دِیوانہ کرکنگ اصل میں حمزہ ہے۔ ورنہ رُوئے زمین پر اور کون ہے جو یوں حمزہ کے تمام پہلوانوں اور سرداروں کو قابُو

میں کرے۔ خواجہ خُورشید سوداگر نے یہ سُن کر کہا۔

”آپ نے کل بھی یہی بات کہی تھی اور دِیوانے کو پتا چل گیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وُہ ناراض ہو کر آپ ہی کا کام تمام کر ڈالے۔ بہتر ہے کہ زبان بند رکھیے۔“

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ غُل مچا کہ دِیوانہ آتا ہے۔ اِتنے میں وُہ دِیوانہ اپنے مُنہ زور گھوڑے پر سوار نوشیر واں کے دربار میں آیا۔ سب ڈر کے مارے تعظیم کے لِیے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ نوشیر واں نے خُوش ہو کر کہا:

”آؤ بھائی دِیوانے، یہاں ہمارے پاس تخت پر آن کر بیٹھو۔“

دِیوانہ گھُوڑے سے اُترا اور تخت پر اِس طرح چڑھا کہ اُس کی چولیں ہل گئیں۔ پھر نعرہ لگایا، بلالُوم۔۔۔ بلالُوم۔۔۔ نوشیر واں، بختک اور قارن مدنی تھَر تھَر کانپنے لگے۔ چند لمحے بعد بختک نے خواجہ خُورشید کے کان میں کوئی بات کہی۔ تب خواجہ خُورشید نے دِیوانے سے کہا۔

”اے دِیوانہ بلالُوم۔۔۔۔۔ وزیر صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں شک ہے کہ آپ دِیوانے کے بھیس میں حمزہ ہیں اور اگر آپ حمزہ نہیں ہیں تو سُلطان سعد

کو اپنے ہاتھ سے قتل کیجئے تا کہ سارا شک دُور ہو۔"

دِیوانے نے گھور کر بختک کو دیکھا تو وُہ چلّایا۔ "نہیں جناب، میں نے ہر گز ایسی بات نہیں کی۔ یہ خواجہ خُورشید جھوٹ بولتا ہے۔"

دِیوانہ زور سے ہنسا اور کہنے لگا۔ "ہم خُوب جانتے ہیں تُم میں کون سچّا ہے اور کون جھوٹا۔ کل ہم اپنے پیر و مرشد کی خِدمت میں جائیں گے اور اُن سے سُلطان سعد کو قتل کرنے کی اِجازت لیں گے۔ اگر اِجازت مِل گئ تو پہلے سُلطان سعد کو اور پھِر بختک کو شک کرنے کے جُرم میں موت کے گھاٹ اُتارا جائے گا۔"

اب تو بختک کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئ۔ دِل اِس زور سے دھڑکا جیسے سینے سے نِکل کر باہر آن پڑے گا۔ موت سر پر منڈلاتی دِکھائی دی۔ اُسی وقت روتا ہُوا دِیوانے کے قدموں پر گرا اور معافی مانگنے لگا۔ دِیوانے نے اُس کو ٹھوکر مار کر پرے ہٹایا اور کہا۔

"جاؤ، ہم نے معاف کیا لیکن یاد رکھّو، آیندہ تُم نے کوئی گڑبڑ کی تو جیتا نہ

چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کہ دِیوانہ اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور شہر کے بازاروں میں گھُومنے لگا۔ ایک جگہ اُس نے کُچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دُبلے پتلے شخص کو گھیرے ہُوئے ہیں اور وُہ آئیں بائیں شائیں کر رہا ہے۔ دِیوانہ کرکنگ قریب پُہنچا تو لوگوں نے راستہ دے دِیا۔ دِیوانے نے غُصّے کر کنگ کو دیکھا اور کُچھ بڑبڑایا۔ تب کرکنگ نے نعرہ لگایا۔

"بلالُوم۔۔۔۔ بلالُوم۔۔۔۔ بلالُوم۔۔۔۔"

دُوسرے دِیوانے نے حلق پھاڑ کر کہا۔ "جلا لُوم۔۔۔ جلا لُوم۔۔۔ جلا لُوم۔۔۔۔"

"کیوں بھئی، یہ جلالُوم کیا ہے؟" کرکنگ نے اُس سے پُوچھا۔

"اور میں پوچھتا ہُوں یہ بلالُوم کیا ہے۔" دُوسرے دِیوانے نے کہا۔

"تجھے معلُوم نہیں کہ میں منات دیوتا کا پُجاری ہُوں۔" کرکنگ نے کہا۔

"اور تجھے نہیں معلوم کہ میں لات دیوتا کا شاگرد ہوں۔" دوسرا دِیوانہ بولا۔ "آج سے اِس شہر میں میرا حکم چلے گا۔ سمجھا کہ نہیں؟"

اِن باتوں سے امیر حمزہ کو شک ہُوا کہ یہ ضرور عُمرو عیّار ہے جو میری طرح دِیوانہ بن کر آیا ہے۔ نرمی سے کہنے لگا۔

"اے دِیوانے، تیرا نام کیا ہے؟ مجھے کرکنگ دِیوانہ کہتے ہیں۔"

"اور مجھے دیوانہ گویّا۔" عُمرو نے جواب دِیا۔ "اب تُو یہاں سے بھاگ جا ورنہ بُرا حشر کروں گا۔"

یہ سُن کر کرکنگ کو طیش آیا اور عُمرو کو مارنے کے لِیے گھوڑے سے اُترا مگر عُمرو مُنہ چڑاتا ہُوا دُور جا کھڑا ہُوا۔ کرکنگ اُس کے پیچھے لپکا۔ عُمرو اور تیز بھاگا۔ آخر دونوں دوڑتے بھاگتے وہاں آن پہنچے جہاں عَلَم شاہ کی فوج ٹھہری ہُوئی تھی۔ عُمرو سیدھا قباد شہریار کی بارگاہ میں گھُس گیا۔ دِیوانہ کرکنگ بھی بلالُوم۔۔۔ بلالُوم۔۔۔ کا نعرہ لگاتا ہُوا بارگاہ میں گھُس گیا اور جب دیکھا کہ شہزادہ قباد شہریار تخت پر بیٹھا دربار کر رہا ہے تو آپ بھی لپک کر اُس کے برابر

جا بیٹھا اور اپنی ٹانگیں اُس کی جانب پھیلا کر اشارے سے کہا۔۔۔ دباؤ۔

یہ گُستاخی دیکھ کر دربار کے پہرے داروں کو غُصّہ آیا۔ اور وُہ تلواریں کھینچ کر دِیوانے کی طرف لپکے۔ مگر قباد شہریار نے اُنہیں روک دِیا اور کہا۔

”خبر دار، اِس شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ ہمارا مہمان ہے اور صُورت سے کوئی بُزرگ معلُوم ہوتا ہے۔ اِس لِیے پیر دابنے میں کیا مضائقہ ہے۔“

اِتنے میں کِسی نے عَلَم شاہ اور لِندھور کو یہ خبر پہنچائی تو وُہ بھاگتے ہُوئے دربار میں آئے اور دِیوانے سے آمنا سامنا ہُوا۔ عَلَم شاہ اور لِندھور گھُونسے تان کر مارنے کے لِیے آگے بڑھے۔ مگر قباد شہریار نے اُنہیں اپنے سر کی قسم دی اور کہا۔

”دیکھیے، یہ ہمارا مہمان ہے۔ اِس سے یہاں کُچھ نہ کہنا۔“

تب عَلَم شاہ اور لِندھور چُپ ہو رہے اور دِیوانہ اُٹھ کر شہر میں چلا گیا۔

اگلے روز طبلِ جنگ بجا۔ دونوں لشکر میدان میں آئے۔ لِندھور نے چاہا کہ میدان میں جا کر مُقابلہ کرے۔ لیکن شہزادہ قباد شہریار نے منع کیا۔ لِندھور

حیران تھا کہ میں جب بھی جنگ کا اِرادہ کرتا ہُوں قباد شہریار منع کرتا ہے۔

اُدھر عَلَم شاہ نے دِیوانے سے لڑنے کا اِرادہ کیا۔ اچانک قباد کے لشکر میں سے ایک عجیب سے حُلیے کا دِیوانہ نِکلا اور بڑھ کر دِیوانہ کرکنگ کے سامنے پُہنچ گیا۔ یہ عُمرو عیّار تھا۔ کرکنگ نے نعرو لگایا۔

"بلالُوم۔۔۔۔ بلالُوم۔۔۔۔ بلالُوم۔۔۔۔"

عُمرو نے بھی جواب میں کہا۔

"جلالُوم۔۔۔۔ جلالُوم۔۔۔۔ جلالُوم۔۔۔۔"

یہ سُن کے کرکنگ نے عُمرو کو مارنے کے لِیے اپنی لکڑی اُٹھائی تب عُمرو نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"بھائی حمزہ، میں نے آپ کو پہچان لِیا ہے۔ آخر ہم جاں نثاروں پر یہ کِس بات کی خفگی ہے؟ کیوں آپ نے یہ رویّہ اِختیار کیا۔"

"اے عُمرو، میں نے بھی تجھے پہچان لِیا ہے۔" حمزہ نے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ مجھ سے بحث مت کر اور چُپ چاپ واپس چلا جا، ورنہ باندھ کر لے جاؤں

گا۔"

"اچھا، تو یہ سر حاضِر ہے۔ کاٹ لیجئے۔" عُمرو نے جواب دِیا اور گردن کاٹی۔ امیر حمزہ نے جھلّا کر لکڑی ماری عُمرو ِگر پڑا۔ امیر نے جلدی سے اُسے باندھا، خواجہ خُورشید کے حوالے کیا اور کہا۔ "یہ قیدی بُہت خطرناک ہے۔ اِسے حفاظت سے رکھنا۔ ایسا نہ ہو نِکل جائے۔"

خواجہ خُورشید نے عُمرو کو لے جا کر اُسی سُرنگ میں ڈالا جِس میں امیر حمزہ رہتے تھے۔ رات کو امیر حمزہ نے عُمرو کو طلب کیا وُہ آتے ہی امیر کے قدموں پر ِگرا اور کہنے لگا۔

"یہ آپ نے کیا کِیا؟ سارے لشکر کا خاتمہ کر دِیا۔"

امیر کو اُس کے رونے پر ترس آیا۔ کہنے لگے۔ "اے عُمرو، ِکسی پر اِس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ وُہ بات یاد ہے جب عَلَم شاہ نے کہا تھا حمزہ مکّے کو جائیں اور اب میں اُن کی جگہ سنبھال لوں گا اور یہی بات لِندھور نے بھی کہی تھی۔ اے عُمرو، میں نے اِن لوگوں کی آزمائش کی ہے۔ خیر، اب ہم تجھے اپنا نوکر بنا کر

رکھیں گے۔"

صُبح کو امیر حمزہ نے خواجہ خُورشید سے کہا کہ قارن مدنی کو اِطّلاع کر دو کہ یہ دِیوانہ گویّا ہے جِس کا نعرہ جلالُوم ہے۔ اِسے ہم نے پسند کیا ہے اور اپنا مُلازم بنائیں گے۔ خواجہ خُورشید نے جا کر یہ بات نوشیرواں سے کہی۔ قارن مدنی بھی وہاں حاضِر تھا۔ وُہ کہنے لگا،

"دِیوانہ کرکنگ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ اُس حمزہ کے اِتنے بڑے بڑے پہلوانوں کو باندھا ہے۔ ہم بڑی خُوشی سے اُس کے ملازم دِیوانہ گویّا کی تنخواہ دیں گے۔ یہ دُوسرا دِیوانہ بھی بڑا چلتا پُرزہ نظر آتا ہے۔"

بختک نامُراد نے مُنہ بنا کر کہا "اب تو مجھے پورا یقین ہو چُکا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ یہ نیا دِیوانہ ضرور عُمرو عیّار ہے۔ مجھے اِس کی چال ڈھال پر شُبہ ہے۔"

یہ سُن کر نوشیرواں نے طیش میں آ کر ایک چانٹا بختک کے مُنہ پر مارا اور کہا۔ "تو ہر وقت بکواس کرتا ہے۔ کبھی چُپ نہیں رہتا۔ بھلا عُمرو یہاں کہاں اور

حمزہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ دِیوانے کا بھیس بنائے اور اپنے ہی آدمیوں کو باندھ باندھ کر ہمارے حوالے کرے۔"

تیسرے دِن دونوں دِیوانے میدان میں آئے اور طبلِ جنگ اِس زور سے بجوایا کہ دوست دُشمن سب کانپ اُٹھے۔ اِس مرتبہ پھر لِندھور نے مُقابلے کا اِرادہ کیا مگر قباد شہریار نے منع کیا۔ لِندھور نے ادب سے کہا۔

"اے شہزادے، میری جان آپ پر قُربان۔ آپ بار بار مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ میں دیکھتا ہُوں کہ اِس دِیوانے کی گُستاخیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ اُس نے ہمارے سب پہلوانوں اور سرداروں کو ایک ایک کر کے باندھ لِیا ہے۔ یہ ہمارے لِیے ڈوب مرنے کا مُقام ہے۔ میں جب بھی اُس سے دو دو ہاتھ کرنے کا اِرادہ کرتا ہُوں، آپ مجھے روک دیتے ہیں۔ آخر یہ کیا بات ہے؟"

شہزادہ قباد شہریار کہنے لگا "اے لِندھور، میں جو کُچھ سمجھ رہا ہُوں، مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ زبان نہ کھولوں۔ ابھی میں عَلَم شاہ کو میدان میں بھیجتا ہُوں۔

اگر اُس نے دِیوانے کو زیر نہ کیا تو پھر اُس کے مُقابلے میں نِکلنا۔"

یہ سُن کر لِندھور خُوش ہُوا۔ عَلَم شاہ اپنے بدن پر تمام ہتھیار سجا کر سفید گھوڑے پر سوار ہُوا اور میدان میں آیا۔ اُس کی شان و شوکت اور رُعب داب دیکھ کر سب کے مُنہ سے آفرین نِکلی۔ دِیوانہ کرکنگ نے اُسے دیکھ کر بلالُوم کا نعرہ لگایا۔ عَلَم شاہ ہنس کر کہنے لگا۔

"اے دِیوانے، اِن بے ہودہ نعروں سے میں نہ ڈروں گا۔ ابھی کوئی دَم میں اِن نعروں کا حال سب پر کھُلا جاتا ہے، تُو نے ہمارے بادشاہ کی بارگاہ میں آن کر جو بے ادبی کی ہے، اُس پر میں خُون کے گھونٹ پی رہا ہُوں۔ اگر شہزادہ قباد شہریار مجھے قسم نہ دیتا تو وہیں تیرے ٹکڑے کر ڈالتا۔"

یہ تقریر سُن کر دِیوانہ کرکنگ نے پھِر بلالُوم بلالُوم کا نعرہ لگایا۔ تب عَلَم شاہ نے جھلّا کر اپنا نیزہ دِیوانے کو مارا۔ اُس نے ڈھال پر روکا اور خود بھی حملہ کیا۔ دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوئی۔ یکایک دِیوانے نے بائیں ہاتھ سے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ عَلَم شاہ کا نیزہ ٹوٹ کر دُور جا گرا۔ یہ دیکھ کر عَلَم شاہ نے گُرز

سنبھالا اور نعرہ لگا کر گُرز سے حملہ کیا۔ دِیوانے نے یہ حملہ بھی ڈھال پر روکا مگر بدن پسینے سے نہا گیا اور گھوڑے کی کمر ٹُوٹ گئی۔ عَلَم شاہ بھی جوش میں آ کر اپنے گھوڑے سے اُترا اور گُرز گھُمانے لگا۔ اِتنے میں کرکنگ کے مُلازم دِیوانہ گویّا نے بھی اپنے آقا کو ایک آہنی گُرز لا کر دِیا۔ دونوں بہت دیر تک ایک دوسرے پر گُرز مارتے رہے۔ اِن کے ٹکرانے سے ایک ہولناک شور پیدا ہوتا تھا اور چنگاریاں آسمان تک جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ دونوں کے گُرز ٹُوٹ گئے۔

اب اُنہوں نے تلواریں سنبھالیں۔ دِیوانے نے باڑھ بچا کر قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر تلوار عَلَم شاہ کے ہاتھ سے چھین لی۔ عَلَم شاہ نے طیش میں آ کر دِیوانے کو ٹکّر ماری اور اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دِیا۔۔۔ دِیوانے نے بھی تلوار پھینک دی اور عَلَم شاہ کا گریبان پکڑ لیا۔ دونوں میں کُشتی کے داؤ پیچ شُروع ہُوئے۔ عَلَم شاہ کے بدن میں بے پناہ طاقت تھی۔ امیر حمزہ نے محسوس کیا کہ وُہ اُن پر حاوی ہو رہا ہے۔ تب اُنہوں نے دِل ہی دِل میں خُدا

سے دُعا کی کہ اے پروردگارِ عالم، یہ جوان اور زور آور ہے۔ میں اِس کے مُقابلے میں بوڑھا اور کمزور ہُوں۔ تو ہی میرا حامی اور مددگار ہے۔ تو اپنے فضل و کرم سے مجھ کو عَلَم پناہ پر فتح یاب کر۔

کہتے ہیں کہ دو دِن تک مُسلسل کُشتی ہوتی رہی۔

تیسرے دِن شام کے وقت امیر حمزہ نے عَلَم شاہ کو پکڑ کر زمین سے اُٹھایا اور سر پر گھما کر دے مارا۔ عَلَم شاہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ دِیوانے سے کہا۔

"تو جیتا اور میں ہارا۔ یہ دراصل اُس بڑے بول کا نتیجہ ہے جو میں نے بولا تھا۔"

عُمرو نے جھٹ پٹ عَلَم شاہ کو باندھا اور سُرنگ میں لے گیا۔

بختک نے اُسی وقت واپسی کا طبل بجوایا۔ نوشیرواں اور قارن مدنی کی خُوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ کرکنگ نے اپنے مُلازم سے کہا کہ عَلَم شاہ کو سُرنگ میں کیوں رکھا ہے؟ جہاں دوسرے قیدی رکھے ہیں وہیں اِسے بھی لے جاؤ۔

غرض کئی روز تک طبلِ جنگ نہ بجا۔ اور امیر حمزہ کے لشکر میں ملکہ اطلس پوش

کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ بار بار کہتی تھی کہ نہ جانے امیر حمزہ کہاں گئے۔ اِس دِیوانے نے کیسی آفت مچائی ہے اور عُمرو بھی کئی دِن سے غائب ہے۔ شاید حمزہ کی تلاش میں گیا ہے۔ مگر اب رکھا ہی کیا ہے۔ لشکر میں سوائے قباد اور لِندھور کے کوئی باقی نہیں رہا۔

قباد شہریار کو بھی عَلَم شاہ کے گرفتار ہونے کا وُہ صدمہ ہُوا کہ کھانا پینا چھوڑ دِیا۔ لِندھور بار بار تسلّیاں دیتا مگر شہزادے پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اِدھر امیر حمزہ بھی فکر مند تھے۔ جانتے تھے کہ اب مقابلہ لِندھور جیسے پہلوان سے ہے۔ خُدا اُس کی ضرب سے بچائے۔ عُمرو سے کہنے لگے۔

"میرا جی گھبراتا ہے۔ لِندھور کا سامنا ہے۔ کوئی تدبیر بتاؤ کہ لِندھور پر قبضہ کروں۔"

عُمرو بھی حیران پریشان تھا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر حمزہ نے کہا۔ "اے عُمرو، تُو کسی طرح میرے لشکر میں جا اور اشقر دیوزار کو لے آ۔"

عُمرو اُسی دِیوانے کے روپ میں قباد شہریار کے پاس آیا اور سلام کر کے بولا۔

”اے شہریار، آپ نے اِس غُلام کو پہچانا؟“

شہزادے نے دیکھا اور نفرت سے مُنہ پھیر کر کہا۔ ”میں تجھے پہچانتا ہُوں۔ تُو اُس دِیوانے کرکنگ کا غُلام ہے جِس نے یہ حشر برپا کیا ہے۔ کیا تیری موت آئی ہے کہ اِدھر چلا آیا؟ جانتا نہیں کہ لِندھور جیسا پہلوان ابھی میرے پاس ہے جو آن کی آن میں تجھے کچّا چبا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے دفان ہو جا۔“

عُمرو نے قہقہہ لگایا اور قباد شہریار کو اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ قباد حیران ہو کر کُچھ کہنے ہی والا تھا کہ عُمرو نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اِشارہ کیا اور کہا۔

”اے شہزادے، میں آپ سے یہ کہنے آیا ہُوں کہ گھبرانا نہیں۔ حوصلے سے کام لینا۔ خُدا نے چاہا تو چند دِن کے اندر اندر بگڑے ہُوئے حالات سُدھر جائیں گے۔ امیر حمزہ خیریت سے ہیں اور عین قریب آپ سے ملیں گے۔“

یہ کہہ کر عُمرو عیّار نے سبز کمبل اوڑھا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ شاہی

اصطبل میں اشقر دیوزاد اپنے تھان پر بندھا ہُوا تھا۔ تب عُمرو نے جِنّاتی زبان میں اُس سے کہا۔

"اے اشقر، تیرے آقا نے تجھے طلب کیا ہے۔"

یہ سُنتے ہی اشقر نے خُوشی سے گردن ہلائی جیسے چلنے کے لِیے رضا مند ہے۔ تب عُمرو نے اُسے کھولا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ امیر حمزہ اشقر کو دیکھ کر خُوش ہُوئے اور خواجہ خُورشید سے کہا کہ یہ ہمارا خاص گھوڑا ہے۔ کوہ قاف سے ساتھ لایا تھا۔ اِس کے دانے گھاس کا اچھا بندوبست کرنا۔

اگلے روز اِتّفاق سے قارن مدنی خواجہ خُورشید سے ملنے آیا۔ اشقر دیوزاد کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ خواجہ خُورشید سے کہنے لگا۔ "اے سوداگر، یہ گھوڑا تُو نے کہاں سے پایا اور اِس کی قیمت کیا ہے؟"

"جہاں پناہ، یہ گھوڑا میرا نہیں۔ دِیوانہ کرکنگ کا ہے۔" خواجہ خُورشید نے جواب دِیا۔

"خیر ہمیں اِس سے غرض نہیں کہ گھوڑا کِس کا ہے۔ اِسے خریدنا چاہتے ہیں

اور مُنہ مانگے دام دیں گے۔"

"حضُور آپ اِس کا سودا تو دِیوانے سے کریں۔ میں اِسے کیسے بیچ سکتا ہُوں؟"

خواجہ خُورشید کا یہ دوٹوک جواب سُن کر قارن مدنی خاموش ہو یا۔ اُس میں اِتنی جُرأت نہ تھی کہ دِیوانے سے جا کر بات کرتا۔ وُہ سیدھا نوشیرواں کے پاس گیا اور سارا ماجرا کہا۔ نوشیرواں نے بھی گھوڑا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ خُورشید نے کہا۔

"ایسا نہ ہو کہ دِیوانہ ناراض ہو جائے۔ آپ صُبح یہ گھوڑا میدانِ جنگ میں دیکھیے گا۔"

قِصّہ مُختصر صُبح سویرے امیر حمزہ کے حکم سے طبلِ جنگ بجا۔ دونوں لشکر میدان میں نمودار ہُوئے۔ دیکھا کہ دِیوانہ کرکنگ اشقر دیوزاد پر سوار ہے اور اُس کا غُلام رکاب تھامے چلا آتا ہے۔ میدان کے درمیان میں آ کر دِیوانہ رُکا اور بلالُوم بلالُوم کا نعرہ لگایا۔ یہ سُنتے ہی لِندھور نے اپنا آہنی گُرز سنبھالا، سیاہ ہاتھی پر سوار ہو کر شہزادہ قباد شہریار کے سامنے گیا اور سلام کرنے کے بعد

کہا۔

”آج تک آپ نے مجھے جنگ سے روکے رکھا، مگر اب صبر کی اِنتہا ہو چکی ہے۔ آپ سے رُخصت ہونے آیا ہُوں۔ اِجازت دیجئے کہ میدان میں جاؤں اور دِیوانے سے دو دو ہاتھ کروں۔“

عُمرو نے تو پہلے ہی قباد شہریار کو مطمئن کر دِیا تھا گھبرانا مت، حالات بہت جلد سُدھر جائیں گے۔ اِس لیے قباد نے لِندھور کو میدان میں اُترنے کی اِجازت دے دی۔ رُخصت کرتے ہُوئے کہا۔

”جاؤ چچا لِندھور، تمھیں خُدا کے سپرد کیا۔“

تب لِندھور کا ہاتھی جھُومتا ہُوا میدان میں آیا۔ خُود لِندھور کا یہ حال تھا کہ آنکھیں کبوتر کے خُون کی مانند سُرخ تھیں، مُنہ سے جھاگ اُبل رہا تھا اور سات مَن کا فولادی گُرز کھلونے کی طرح ہُوا میں اُچھالتا ہُوا چلا آتا تھا۔

جِس نے اُسے اِس عالم میں دیکھا، ڈر کر آنکھیں بند کر لیں اور دِل میں کہا بے شک یہ کوئی دیو یا جِن ہے جو انسان کی شکل میں آیا ہے۔

جونہی لِندھور دِیوانہ کرکنگ کے نزدیک آیا، اُس نے نعرہ مارا۔ "بلالُوم۔۔۔ بلالُوم۔۔۔"

لِندھور نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "او بے ادب، سنبھل کر۔ اب تیری موت کا وقت قریب ہے۔ اُس روز تُو ہمارے بادشاہ کے دربار میں آیا اور گُستاخی کر کے چلا گیا۔ خُدا جانتا ہے کہ اگر بادشاہ نے مجھے روکا نہ ہوتا تو وہیں تیری لاش پھڑکتی دِکھائی دیتی۔"

دیوالے نے پھر بلالُوم کا نعرہ لگایا۔ اب تو لِندھور کا مارے غُصّے بُرا حال ہُوا، جھلّا کر کہنے لگا۔ "یہ کیا بلالُوم بلالُوم کی رٹ لگا رکھی ہے۔ انسانوں کی زبان میں بات کر۔"

"یہ پوچھتا ہے کہ تمہارا نام پتا کیا ہے؟" کرکنگ کے غُلام نے لِندھور سے کہا۔ یہ سُن کر لِندھور کا غُصّہ کُچھ کم ہُوا۔ مُنہ کھول کر بجلی کی مانند ہنسا اور بادل کی طرح گرج کر بولا۔

"تُو نہیں جانتا تو سُن کہ میرا نام لِندھور ہے۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے

بادشاہ ہُوں۔ دنیا کا کوئی پہلوان میری پیٹھ زمین سے نہیں لگا سکا ہے۔ امیر حمزہ کا جانشین ہُوں۔"

یکایک دِیوانے نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور اپنے ہاتھ کی لکڑی اِس زور سے لِندھور کے ہاتھی پر ماری کہ اُس کا مغز پاش پاش ہُوا اور ہاتھی لِندھور سمیت دھم سے زمین پر گِرا۔ لِندھور کا عجب حال ہُوا۔ دِل میں کہا۔ واقعی یہ دِیوانہ تو طاقت میں لاثانی اور بلائے ناگہانی ہے۔ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور دونوں ہاتھوں میں گُرز تھام کر دِیوانے پر حملہ کیا۔ اُس نے وہی لکڑی آگے کر دی۔ لِندھور کا گُرز ایک ہولناک دھماکے سے لکڑی پر لگا اور آگ کا ایک شعلہ آسمان تک گیا۔ لکڑی تڑاخ سے دو ٹکڑے ہو گئی اور دِیوانہ تیورا کر گِرا۔ اُس پر غش طاری ہو گیا۔ اُس کا غُلام حلق پھاڑ کر چلّایا کہ اے آقا، ہوش میں آؤ۔ دُشمن سر پر آن پہنچا۔ یہ چیخ پکار سُن کر دِیوانے نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ اشقر دیوزاد بھی لہُولُہان ہے۔ تب دِیوانے نے ہاتھ مار کر گھوڑے کو میدان سے بھگایا اور لِندھور سے لپٹ گیا۔ پھر ایسی زور دار کُشتی شُروع ہُوئی کہ الامان۔

کبھی لِندھور کی ہڈّیاں چٹخنے کی آواز آتی تو کبھی دِیوانے کے حلق سے چیخ نِکل جاتی اور اپنی پسلیاں پکڑ کر بیٹھ جاتا۔ کہتے ہیں کہ تمام دِن اور ساری رات دونوں میں کُشتی ہوتی رہی اور کوئی ہارا نہ جیتا۔ دوسرا دِن بھی یونہی گُزرا۔ تیسرے دِن امیر حمزہ نے لِندھور کا زور توڑا اور سینے میں ہاتھ دے کر اُسے ریلتے ہُوئے دُور لے گئے۔ لِندھور کا سانس ٹُوٹ چُکا تھا اور وُہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ پھر امیر نے اُس کو پکڑ کر اُوپر اُٹھایا اور داہنے شانے کی جانب سے زمین پر دے مارا۔ لِندھور چاروں شانے چِت گِرا۔ امیر حمزہ نے اُسے باندھ کر عُمرو کے حوالے کیا اور جہاں سب پہلوان قید تھے، وہیں لِندھور کو بھی رکھا گیا۔

رات کو خواجہ خُورشید امیر حمزہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ دُوسرا دِن ہے عَلَم شاہ نے کھانا نہیں کھایا۔ کہتا ہے کہ اب مجھ پر دانا پانی حرام ہے۔ اِس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ امیر حمزہ نے یہ سُن کر عُمرو کو بھیجا کہ جا کر عَلَم شاہ کو سمجھا اور کھانا کھانے پر آمادہ کرو۔ عُمرو نے بہتیرا سمجھایا مگر عَلَم شاہ نے ایک نہ

سُنی اور امیر حمزہ اپنی اصلی صُورت میں وہاں آئے۔ سب پہلوانوں نے دیکھا اور قدموں میں گرے۔ لِندھور نے عَلَم شاہ سے کہا۔

”دیکھا، میں نے کہا تھا کہ یہ دِیوانہ امیر حمزہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ایسی قُوّت و شجاعت امیر کے سوا رُوئے زمین پر کسی اور میں نہیں ہے۔“

امیر حمزہ نے سب کو گلے لگایا۔ پھر کہنے لگے۔ ”مجھے مصلحتاً دِیوانہ بننا پڑا۔ اے عَلَم شاہ، یاد ہے تُم نے کہا تھا کہ اب حمزہ کو چاہیے کہ مکّے چلے جائیں اور میں اُس کی جگہ بیٹھوں گا۔ میں نے تمہاری آزمائش کی۔ اگر تُم واقعی میری جگہ بیٹھنے کے لائق ہوتے تو میں مکّے چلا جاتا۔“

عَلَم شاہ رونے لگے اور کہا۔ ”میں اپنی اِس گُستاخی کی معافی چاہتا ہُوں۔“

امیر نے اُنہیں معاف کیا۔ پھر لِندھور سے بولے۔ ”اور بھائی لِندھور تُم نے بھی ایسی ہی بات کی تھی کہ مجھ کو حمزہ نے زیر نہیں کیا ہے۔ اگر اب بھی تُم زیر نہ ہوتے تو تمہارا یہ احسان مجھ پہ رہتا۔“

لِندھور نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی۔ امیر حمزہ نے اُسے بھی معاف کیا۔

اِدھر تو یہ کارروائی ہو رہی تھی اور اُدھر بختک کے جاسوسوں نے نوشیر واں تک یہ خبر پہنچائی کہ وہی ہُوا جو بختک کہتا تھا۔ یہ دِیوانہ امیر حمزہ نِکلا اور اب سب پہلوان قید خانے سے باہر آ کر شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

نوشیر واں کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا۔ یہی حال قارن مدنی کا ہُوا۔ اِتنی دیر میں قباد شہریار بھی اپنا لشکر لے کر آن پُہنچا اور تلوار چلنے لگی۔ نوشیر واں بھاگ کھڑا ہُوا۔ قارن مدنی تلوار ہاتھ میں لِیے قید خانے کی طرف آیا تو وہاں خواجہ خُورشید سے سامنا ہُوا۔ قارن مدنی کہنے لگا۔

"او بد ذات سوداگر، یہ سب کیا دھرا تیرا ہے۔ اب دیکھتا ہُوں، تجھے کون بچاتا ہے۔"

یہ کہہ کر تلوار ماری۔ خواجہ خُورشید نے وار خالی دِیا۔ اِتنے میں لِندھور نے اُٹھ کر قارن کا ہاتھ پکڑا اور کلائی مروڑ کر تلوار چھین لی۔ پھر بائیں ہاتھ کا گھُونسا اِس زور سے قارن کی گردن پر مارا کہ وُہ لٹّو کی طرح گھُوما اور زمین پر گِر کر مر گیا۔

جب قارن مارا گیا اور نوشیر واں کے فرار ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ امیر حمزہ نے شہر پر قبضہ کیا اور خواجہ خُورشید کو نہایت شان وشوکت سے تختِ شاہی پر بٹھایا۔ یہ بات اُس کے وہم وگُمان میں بھی نہ تھی کہ کبھی عدن کی حکومت اُس کے ہاتھ آئے گی۔ بے اِختیار امیر حمزہ کے ہاتھ پیر چُومنے لگا۔ امیر حمزہ نے اُسے دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چند دِن یہاں آرام کرو۔ پھِر نوشیر واں کے تعاقب میں روانہ ہُوں گے۔

عادی پہلوان کے کرتب

اب سُنیے کہ دریائے عدن کی لہروں میں بہہ جانے کے بعد عادی پہلوان پر کیا گزری۔ کئی روز تک لہروں کے تھپیڑے کھانے سے عادی آدھ مُوا ہو چُکا تھا اور بھُوک کے مارے دم لبوں پر آ گیا تھا۔ مگر مچھلیوں اور کچھوؤں کے سوا دریا میں کُچھ نہ تھا۔ وُہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا رہا۔

ایک مہینے بعد کنارے پر آیا۔ باہر نِکل کر دیکھا کہ سامنے ایک آبادی ہے۔ لڑھکتا لڑکھڑاتا ہُوا اُسی طرف چلا۔ بُہت جلد بستی میں آن پُہنچا اور یہ دیکھ کر خُوش ہُوا کہ بازاروں میں بڑی رونق ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں افراط سے ہیں اور دُکانوں پر خریداروں کا ہجُوم ہے۔

چند لوگوں کے عادی پہلوان کو اُوپر سے نیچے تک دیکھتے پھر پھبتیاں کستے اور

قہقہے لگاتے ہُوئے نِکل گئے۔ عادی نے اُس وقت صِرف ایک لنگوٹ باندھ رکھا تھا۔ اِس کے علاوہ جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ شہر کے لڑکے بالے تالیاں پیٹتے اُس کے پیچھے لگ گئے اور ایک عجیب ہنگامہ برپا ہُوا۔

عادی پہلوان غُصّے سے پاگل ہو گیا۔ لوگوں کو بُرا بھلا کہتا اور اُچھل پھاند کرتا ہُوا ایک حلوائی کی دُکان کے آگے آیا۔ چمکتے تھالوں میں لذیذ مٹھائیاں سجی ہوئی تھیں جِن کی خوشبُو سے پُورا بازار مہک رہا تھا۔ عادی کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ بے تکلّف مٹھائیاں اُٹھا اُٹھا کر مُنہ میں رکھنے لگا اور اِس سے پہلے کہ حلوائی بے چارہ کُچھ کر سکے، اُس کی آدھی دُکان عادی کے پیٹ میں پُہنچ چکی تھی۔

حلوائی نے سر پیٹ لِیا۔ پھِر عادی کو مارنے کے لِیے لوہے کا ایک کرچھا اُٹھایا۔ عادی نے کرچھا حلوائی سے چھین کر موم کی طرح توڑ موڑ کر دُور پھینک دِیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھا اور نان بائی کی دُکان پر پُہنچ کر روٹیوں اور سالن کی بھری پتیلیوں کا صفایا کیا۔

نان بائی نے غُل مچایا کہ اے لوگو، یہ دِیو کہاں سے آیا کہ شہر میں لُوٹ مچاتا پھِر رہا ہے اور کوئی اِس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ کیا اندھیر ہے۔ اِتنی دیر میں عادی چوک میں نمودار ہُوا اور وہاں بھی لُوٹ گھسوٹ شُروع کی۔ لوگوں نے کوتوال سے فریاد کی۔ کوتوال نے چند سپاہیوں کو بھیجا کہ اِس وحشی کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ، اور مارے جوتوں کے اس کی کھوپڑی پلپلی کر دو۔ عادی کو دیکھ کر سپاہیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ دِیو بھلا اُن کے قابو میں آنے والا تھا۔ پکڑنا تو ایک طرف رہا۔ کِسی کو عادی کے نزدیک بھی جانے کی جرأت نہ ہُوئی۔ اُنہوں نے کوتوالی سے اور سپاہی بُلوائے۔ اُنہوں نے تلواریں نِکالیں اور عادی کو گھیرے میں لینے کی کوشِش کی۔ عادی نے جھٹ لکڑی کا ایک ستُون اُکھاڑا اور تیزی سے گھُمانا شُروع کیا۔ جو سپاہی اُس کی زد میں آیا، وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اب تو ہر طرف ہاہاکار مچ گئی اور لوگ ایک دوسرے پر گِرتے پڑتے بھاگ نکلے۔ سپاہیوں نے بھی تلواریں پھینکیں اور اپنی جان بچا کر فرار ہُوئے۔

ہرکاروں نے بادشاہ کے حضُور میں پرچہ داخل کیا۔ بادشاہ نے فوج کو طلب کیا اور حکم دِیا کہ جِس طرح بھی مُمکن ہو، اِس پاگل کو ہمارے حضُور میں حاضر کیا جائے۔

فوجی سپاہیوں نے جب دیکھا کہ لڑنے بھِڑنے سے کام نہ چلے گا تو حکمت سے کام لیا۔ عادی پہلوان کے قریب آن کر کہنے لگے۔

"جناب، یہ جنگ ختم کیجیئے۔ ہم آپ سے لڑنے کی ہمّت نہیں رکھتے۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آیئے ہم آپ کو خُوش کر دیں گے اور مُمکن ہے آپ کو فوج کا سپہ سالار بھی بنادیں۔"

یہ سُن کر عادی پہلوان خُوش ہُوا اور سپاہیوں کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں آیا۔ بادشاہ اس کا ڈیل ڈول اور صُورت دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گیا اور دیر تک کُچھ نہ بول سکا۔ آخر عادی پہلوان نے گرج دار آواز میں کہا۔

"اے بادشاہ، تو نے ہم کو یاد کیا، ہم چلے آئے۔ اب چُپ کیوں ہے؟ کُچھ تو مُنہ سے بول۔"

بادشاہ نے کہا" صاحب، آپ کا نام کیا ہے؟"

عادی پہلوان نے خوف ناک قہقہہ لگا کر جواب دِیا۔ "اے بادشاہ، ہمارا نام زمانے بھر میں مشہور ہے۔ حیرت ہے تُو نہیں جانتا۔ میں عادی پہلوان ہُوں۔ کِسی زمانے میں تنگ رواحل کا بادشاہ تھا۔ امیر حمزہ رستم زماں کا دودھ شریک بھائی ہُوں۔ اب تُو بتا کہ اِس شہر کا کیا نام ہے اور تجھے کیا کہتے ہیں؟"

عادی کی یہ تقریر سُن کر بادشاہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

"میری خُوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں نے بہت عرصہ ہُوا آپ کا نام اور امیر حمزہ کے کارنامے سُنے تھے۔ اِس شہر کو اُندلس کہتے ہیں اور میرا نام معرُوف شاہ ہے۔"

"بہُت خُوب، بہُت خُوب۔" عادی نے کہا۔ "اچھا بھائی بادشاہ، باتیں تو بعد میں ہُوں گی۔ کئی مہینے کے فاقے سے ہُوں۔ کُچھ کھانے پینے کا انتظام تو کرو۔"

معرُوف شاہ کو طیش تو بہُت آیا مگر کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُس نے امیر حمزہ کا نام سُن رکھا تھا اور خُوب جانتا تھا کہ یہ عادی پہلوان واقعی اُن کا دودھ شریک بھائی

ہے۔ اُس نے باورچیوں کو بُلا کر حکم دِیا کہ دستر خوان بچھاؤ اور ہمارے مہمان کی خُوب خاطِر تواضع کرو۔

یہ سُن کہ عادی پہلوان نے کہا۔ ”ارے میاں، دستر خوان وستر خوان چھوڑو۔ مجھے تو سیدھے سیدھے باورچی خانے میں لے چلو، ہاں۔“

عادی پہلوان نے باورچی خانے میں پُہنچ کر جب دیگوں پر نظر ڈالی تو طبیعت خُوش ہو گئی۔ کِسی میں قورمہ تھا تو کِسی میں زردہ پلاؤ۔ کِسی میں بریانی اور کِسی میں تنجن۔ وُہ جو کھانے بیٹھا تو صُبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی۔ اور جب تک سارا کھانا ختم نہ ہو گیا، وُہ وہاں سے نہ اُٹھا۔ اُس کی خوراک دیکھ کر بادشاہ کے محل میں دہشت کی لہر دوڑ گئی۔ باورچی آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ اگر اِس جیسے ایک دو اور آ گئے تو پورے مُلک میں قحط پڑ جائے گا اور لوگ دانے دانے کو ترسا کریں گے۔

معرُوف شاہ بھی اپنے محل میں سر پکڑے بیٹھا قسمت کو رُو رہا تھا کہ عادی پہلوان کی صُورت میں یہ بلا کہاں سے آن پہنچی اور اِس سے چھُٹکارا پانے کی

اب کیا صُورت ہو۔ اِسی طرح کئی مہینے گُزر گئے۔ عادی کِسی طرح جانے کا نام نہ لیتا تھا۔ دِن رات پیٹ پُوجا کرنے میں لگا ہُوا تھا۔ رات کو ایسے بھیانک خرّاٹے لیتا کہ کوسوں دُور سے سُنے جاسکتے تھے اور اِن خرّاٹوں نے اُندلس کے شہریوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔

ایک دِن امیر حمزہ کو خیال آیا کہ عادی پہلوان کی کُچھ خیر خبر معلُوم ہونی چاہیے کہ کِدھر گیا۔ یہ کام اُنہوں نے عُمرو عیّار کے سپرد کیا۔ عُمرو عیّار پُوچھتا دریافت کرتا اُندلس شہر میں داخل ہُوا اور ایک سوداگر کی شکل بنا کر بازاروں میں گھُومنے لگا۔ ایک شخص کی خُوشامد درآمد کر کے معرُوف شاہ کے دربار میں پُہنچا تو اُس نے پُوچھا۔

"تُم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"حضُور، میں سوداگر ہُوں۔ میرا ایک غُلام جواہرات سے بھرا ہُوا صندوقچہ لے کہ اِس شہر میں آیا ہے۔ اُسی کی تلاش میں آیا ہُوں؟"

"اُس غُلام کا حُلیہ بیان کرو؟" بادشاہ نے کہا۔ تب عُمرو عیّار نے تفصیل سے

عادی پہلوان کا حُلیہ بیان کیا۔ معرُوف شاہ حیرت سے سب کُچھ سُنتا رہا۔ پھِر کہنے لگا:

"بے شک اِس حُلیے کا ایک شخص کئی مہینے ہُوئے یہاں آیا تھا اور اب بھی یہیں موجُود ہے مگر وُہ تو اپنے آپ کو امیر حمزہ کا دُودھ شریک اور اپنا نام عادی کرب پہلوان بتاتا ہے۔"

"حضُور، وُہ بالکُل جھُوٹ بکتا ہے۔ ذرا میرے سامنے بُلوائیے۔ ابھی سب قلعی کھل جاتی ہے۔"

معرُوف شاہ نے پہرے داروں کو حکم دِیا کہ جلد عادی پہلوان کو ہمارے حضُور میں پیش کرو۔ اُس وقت عادی پہلوان اپنے مکان میں دربار لگائے بیٹھا تھا اور معرُوف شاہ کے دونوں بیٹے ہام اور سام بھی موجُود تھے۔ اُن علاوہ شہر کے اور بھی بہت سے لوگ جمع تھے۔ عادی پہلوان ڈینگیں مار رہا تھا کہ امیر حمزہ تو خیر بہادُر ہیں مگر میرا ابھی جواب نہیں۔ آج تک دنیا میں کِسی شخص سے میں نے شکست نہیں کھائی ہے۔ دُور دُور تک میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے،

میرا نام سُن کر ہی دُشمنوں کا پِتّا پانی ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لوگ سر جھُکائے عادی کی یہ خُرافات سُن رہے تھے اور تعریف بھی کرتے جاتے تھے کہ یکایک بادشاہ کے بھیجے ہُوئے پہرے دار آن پہنچے اور اُنھوں نے دربار میں حاضر ہونے کا حکم سُنایا۔

عادی پہلوان کو تاؤ تو بہُت آیا مگر بادشاہ کا حکم تھا اِس لیے جانا ہی پڑا۔ وہاں عُمرو نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"کیوں بے، تُو میرا صندوقچہ چُرا کر بھاگا تو آج دِکھائی دِیا ہے اور اپنے آپ کو عادی پہلوان مشہور کر رکھّا ہے۔"

عادی نے حیرت اور غُصّے سے مُنہ کھول کر عُمرو کو دیکھا اور کہا۔ "ذرا زبان سنبھال کر بول۔ ورنہ چٹنی کر دُوں گا۔ کیا تُو پاگل تو نہیں ہے جو اُلٹی سیدھی ہانک رہا ہے؟"

وُہ عُمرو کو بالکُل نہ پہچان سکا جو سوداگر کے بھیس میں تھا۔ آخر معرُوف شاہ نے عادی کو سارا قِصّہ سُنایا اور کہا۔ "یہ سوداگر کہتا ہے کہ تُم اِس کے غُلام ہو اور

جواہرات کا صندوقچہ چُرا کر بھاگ آئے ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ ورنہ بُری طرح پیش آؤں گا۔ تُم نے ہمیں دھوکا دِیا ہے۔"

اب تو عادی پہلوان کے غُصّے کی انتہا نہ رہی۔ گھُونسا تان کر عُمرو کی طرف بڑھا اور کہنے لگا۔ "ابے او سوداگر، میں تیرا غُلام ہُوں؟ کیا غُلام مجھ جیسے ہی ہوتے ہیں؟"

عُمرو نے دیکھا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر عادی کا ایک ہی گھُونسا پڑ گیا تو دُوسری دنیا میں پہنچے بغیر نہ رہُوں گا۔ اُس نے فوراً آنکھ کا اِشارہ کیا اور قریب جا کر چُپکے سے کہا۔

"عادی بھائی، خُدا کے واسطے مجھے نہ مارنا۔ میں عُمرو ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی بائیں آنکھ کا تِل نِشانی کے طور پر دِکھایا تب عادی کو اطمینان ہُوا۔ کھِل کھِلا کر ہنسا اور کہنے لگا۔ "یار تُم سخت نامعقول آدمی ہو۔ یہاں آکر کیا کہہ دِیا۔ آخر مجھے ذلیل کرنے میں تمہیں کیا مزا آتا ہے؟"

پھر اُس نے معرُوف شاہ کو بتایا کہ سوداگر کے بھیس میں یہ ہمارا پیارا دوست

عُمرو عیّار ہے۔ معرُوف شاہ نے عُمرو کے بارے میں بہُت کُچھ سُن رکھّا تھا۔ اُسے دیکھ کر خُوش ہُوا اور خُوب خاطِر تواضع کی۔ اِس کے بعد عادی پہلوان عُمرو کو اپنے مکان پر لے گیا اور کہنے لگا۔

"بھائی عُمرو، میری مانو تو تُم بھی یہیں آ جاؤ۔ مزے ہی مزے ہیں۔ ایسے ایسے لذیذ کھانے کھائے ہیں کہ زِندگی میں کبھی نہ کھائے تھے۔ اچھا، یہ تو بتاؤ امیر حمزہ کیسے ہیں اور دوسرے دوستوں لِندھور وغیرہ کا کیا حال ہے؟"

"بھائی عادی، بُرا ماننے کی بات نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تُم سا طوطا چشم اور بے مرزُوق آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ بندۂ خُدا تمہیں کھانے پینے اور سونے کے سوا دنیا میں کوئی اور کام بھی ہے یا نہیں؟ ہم لوگ جئیں یا مریں، تمہاری بلا سے۔"

"یار تُم تو ناراض ہو گئے۔ کہو تو ابھی بوریا بستر باندھ کر تمہارے ساتھ چل دُوں۔"

"ابھی نہیں، کل چلیں گے۔" عُمرو نے کہا۔ "معرُوف شاہ سے اِجازت بھی تُو

لینی پڑے گی۔"

غرض اگلے روز عُمرو عیّار اور عادی پہلوان معرُوف شاہ سے اِجازت لے کر روانہ ہو گئے۔ شہر کے لوگوں نے جب سُنا کہ عادی پہلوان رُخصت ہو گیا تو سب نے اِطمینان کا سانس لِیا۔

وُہ عدن میں پہنچے تو معلُوم ہُوا کہ امیر حمزہ کُوچ کی تیّاریاں کر رہے ہیں۔ اُنہیں پتا چلا تھا کہ نوشیر واں مدائن جانے کے بجائے کوہ ششدر کی طرف چلا گیا ہے۔ وہاں جمشید کی حکومت ہے۔ اس نے نوشیر واں کو پناہ دی ہے اور اُس سے کہا ہے کہ اے بادشاہ تُو ایک حمزہ کے ڈر سے بھاگتا پھرتا ہے۔ تُو نے ایک ایک کر کے اپنے مُلک چِھنوا دیے۔ یہ کیا غضب کیا؟ اب اِطمینان سے رہ۔ حمزہ کی کیا مجال جو یہاں آ کر تجھے پریشان کرے۔

یہ سُن کر بختک نامراد دِل میں خُوب ہنسا تھا لیکن سامنے جمشید کی بے حد تعریف کی اور کہا: "حمزہ، آپ کے سامنے کل کا بچّہ ہے۔ وُہ اِدھر آنے کا کبھی حوصلہ نہ کرے گا۔ مگر بعض باتیں ایسی ہیں جو میں فُرصت میں آپ سے

عرض کروں گا۔"

جب امیر حمزہ کوہ ششدر کے قریب پہنچے تو نوشیر واں کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی۔ اُس وقت وُہ کھانا کھا رہا تھا۔ مارے خوف کے نوالہ ہاتھ سے ِگر پڑا اور چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ جمشید بھی دستر خوان پر موجُود تھا۔ اُس نے نوشیر واں کی یہ حالت دیکھی تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلی داب لی اور کہنے لگا:

"اے نوشیر واں، حمزہ کا نام سُنتے ہی تیرے جسم پر تھر تھری پڑ گئی۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ حمزہ آدمی ہے یا کوئی جِن؟"

بختک یہ بات سُن کر بول اُٹھا۔ "اے جمشید، کُچھ نہ پُوچھ۔ ہم ایسے بد بخت ہیں کہ جِس شہر میں جاتے ہیں وُہ شہر تباہ و برباد ہو جاتا ہے، تُم بھی یا تو قتل ہو گے یا حمزہ کی غُلامی کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالو گے۔ بس اُس کا سامنا کرنے کی دیر ہے۔"

جمشید یہ سُن کر غضب میں آیا اور کہنے لگا۔ "او بد ذات، زبان کو لگام دے۔ ورنہ چمڑی اُدھیڑ دُوں گا۔"

نوشیرواں نے بختک کو ڈانٹا اور جمشید کو سمجھا بجھا کر نرم کیا۔ اُس وقت امیر حمزہ کوہ ششدر سے پانچ منزل دُور ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھے اور جنگی چالیں سوچنے میں مصروف تھے کہ یکایک مکّے سے ایک تیز رفتار قاصِد خواجہ عبد المطّلب کا خط لے کر آیا۔ اس میں لکھا تھا:

"فرزندِ ارجمند حمزہ کو سلام پہنچے ۔ ازہر زنگی نے بارہ سو ہاتھیوں سے شہر کو گھیرا ہے اور کہتا ہے کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بہا دُوں گا۔ میں نے چند دِن کی مہلت اُس سے مانگی ہے۔ اب تُم دیر نہ کرو اور جلد یہاں پہنچو۔"

اپنے والد کا یہ خط پڑھ کر امیر حمزہ بے چین ہو گئے۔ شہزادہ قباد شہریار سے کہنے لگے۔ "بیٹا، تُم لشکر سمیت یہیں رہو۔ اگر جمشید حملہ کرے تو عَلَم شاہ، لِندھور اور بہرام وغیرہ اُس سے نپٹ لیں گے۔ لیکن جب تک میں واپس نہ آؤں، تُم آگے بڑھنے کا اِرادہ نہ کرنا۔ فقط عُمرو عیّار کو اپنے ساتھ لے جاتا ہُوں۔"

قباد شہریار نے کہا۔ "ابّا جان، مناسب تو یہ ہے کہ فوج کے ایک دو رستے ضرور

اپنے ساتھ لے جائیے۔“

امیر حمزہ نے اِنکار کیا مگر شہزادہ ضِد کرنے لگا۔ امیر حمزہ نے مجبور ہو کر بہرام کی فوج کے چند سپاہی لِیے اور مکّے کی جانب روانہ ہو گئے۔ جاسوسوں نے یہ خبر جمشید اور نوشیرواں کو پہنچائی کہ امیر حمزہ اور عُمرو عیّار چند سپاہیوں کو لے کر مکّے کی طرف گئے ہیں۔ کیوں کہ وہاں ازہر زنگی ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا ہے۔ بختک یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوا اور بغلیں بجا بجا کر کہنے لگا، یہی وقت ہے کہ حمزہ کے لشکر پر ہلّا بول دِیا جائے۔ جمشید لال پیلی آنکھیں کر کے بولا:

”او بُزدل، کیا تُو نے ہم کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھا ہے؟ مجھ کو تو حمزہ سے دو دو ہاتھ کرنے کی خواہش ہے۔ جب تک وُہ واپس نہ آئے گا، میں جنگ نہ کروں گا۔“

”اے جمشید، میری بات مان اور حملہ کر دے۔ ایسا سنہری موقع پھر نہ ملے گا۔ حمزہ اور عُمرو عیّار دونوں غیر حاضر ہیں۔ اگر تو اِس وقت لڑے گا تو ضرور فتح پائے گا۔“

لیکن جمشید نے بختک کی اِس بکواس پر بالکُل کان نہ دھرا اور وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔ بختک سوچنے لگا کہ جمشید کو ذلیل کرنے کی کوئی تدبیر کروں۔ سوچتے سوچتے ایک خیال دماغ میں آیا۔ اُس نے جمشید کی جانب سے ایک خط شہزادہ قباد شہریار کے نام روانہ کیا۔ جِسے پڑھ کر قباد کا خُون کھول گیا۔ عَلَم شاہ نے قباد کا جو یہ حال دیکھا تو وُہ خط اُٹھا کر پڑھا۔ اُس کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی۔ پھر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"اگر حکم ہو تو ابھی جاؤں اور اِس مردُود جمشید کو سزا دُوں۔"

"ہاں بھائی، ضرور جاؤ۔" شہریار نے اِجازت دے دی۔ عَلَم شاہ باہر نِکلا اور گھوڑے پر سوار ہُوا۔۔ کئی جاں نثاروں نے ساتھ جانے کا اِرادہ کیا مگر عَلَم شاہ نے سب کو منع کیا۔ حتیٰ کہ سیّارہ رُومی کو بھی ہمراہ نہ لِیا۔ تنِ تنہا کوہ ششدر پُہنچا لیکن سُلطان سعد اپنے چچا کی محبّت سے مجبور ہو کر پیچھے پیچھے آ گیا تھا۔ چوب داروں نے عَلَم شاہ کو روکنے کی کوشِش کی مگر وُہ سب کو کوڑے مار کر ہٹاتا ہُوا سیدھا جمشید کے دربار میں آیا اور گھوڑے سے کُود کر تخت پر اُس

کے برابر جا بیٹھا۔ پھِر خنجر نِکال کر جمشید کی گردن پر رکھ دِیا اور کہا۔

"او بد ذات، کِس برتے پر بادشاہی کرتا ہے؟ کیا بادشاہوں کی یہی شان ہے کہ دوسرے بادشاہوں کو گالیاں لکھ کر بھیجیں۔ دیکھ ابھی تیری گردن کاٹتا ہُوں۔"

خوف کے مارے جمشید کی گھگھّی بندھ گئی۔ زبان سے ایک لفظ نہ نِکل سکا۔ اُس کے محافظ تلواریں کھینچ کھینچ کر عَلَم شاہ کی طرف بڑھے تو اُس نے خنجر کی نوک جمشید کے گلے پر دبا کر کہا۔ "اے جمشید، اپنے اِن غلاموں کو روک ورنہ خُدا جانتا ہے تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

نوشیرواں اور بختک نے غلاموں کو روکا اور کہا کہ اپنی تلواریں میان میں رکھو اور واپس جاؤ۔ اِتنے میں سُلطان سعد بھی گھوڑے پر سوار دربار میں آن پُہنچا اور جمشید کی حالت دیکھ کر ہنسا۔ پھر عَلَم شاہ سے کہنے لگا:

"چچا جان، مجھے حکم دیجیے کہ اِس مُوذی کو سزا دُوں۔"

جمشید کے غُلام سعد کو مارنے کے لِیے بڑھے تو عَلَم شاہ نے للکار کر کہا۔

”خبر دار، اگر کسی کے ہاتھوں سعد کو ہلکی سی خراش بھی آئی تو سب کی بوٹی بوٹی کر دُوں گا۔“

بختک ہاتھ باندھ کر بولا۔ ”حضُور، کِسی کی کیا مجال ہے جو کوئی بولے۔“

غرض عَلَم شاہ نے جمشید کی تِین مُنہ اُٹھا بیٹھی کرائی پھِر اُس نے ناک فرش پر رگڑی اور کانوں کو ہاتھ لگایا۔ تب عَلَم شاہ نے اپنا خنجر اُس کی شہ رگ سے ہٹایا۔ اس کے بعد عَلَم شاہ وہی خنجر لے کر نوشیر واں کی طرف بڑھا اور کہنے لگا۔

”آج تیرا بھی قِصّہ پاک کیے دیتا ہُوں تا کہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔“

”اے عَلَم شاہ، خبر دار ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اچھا نہ ہو گا۔ یہ حرکت تیری شان کے خلاف ہے۔“ خواجہ بزُرجمہر نے پُکار کر کہا۔

عَلَم شاہ نے حیرت سے خواجہ بزُرجمہر کو دیکھا۔ پھِر عقل سے پہچانا کہ یہی خواجہ بزُرجمہر ہیں جِن کا نام امیر حمزہ ادب سے لیتے ہیں۔ پس اُس نے اپنا خنجر کمر میں باندھا اور بزُرجمہر کو سلام کر کے کہنے لگا:

"حضرت، آپ بھی اِس کو نہیں سمجھاتے کہ امیر حمزہ سے دُشمنی کیوں کرتا ہے۔"

بزُرجمہر نے کوئی جواب نہ دِیا۔ تب عَلَم شاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا دربار کے پہرے داروں اور غُلاموں نے پھِر سے روکنے کی کوشِش کی تو اُس نے گرج کر کہا۔ "اگر کِسی نے شرارت کی تو ایک ایک کو قتل کروں گا اور کِسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔"

بختک گھبرا کر بولا۔ "حضُور، آپ تشریف لے جائیں۔ کوئی شخص جُنبش بھی نہ کرے گا۔"

جب عَلَم شاہ اور سُلطان سعد باہر چلے گئے تب بختک نے درباریوں، سپاہیوں اور پہرے داروں سے کہا کہ "تُم سب پرلے درجے کے بُزدِل ہو۔ دو آدمی بھرے دربار میں بادشاہ کو ذلیل کر کے چلے گئے اور تُم اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ اب بھی موقع ہے اُنہیں راستے میں گھیر لو۔"

یہ سُن کر بہت سے سپاہی جھٹ پٹ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور عَلَم شاہ کے

تعاقب میں روانہ ہُوئے۔ وُہ دونوں ابھی بازار ہی میں تھے کہ جمشید کے سپاہی آن پہنچے اور اُن کے سردار نے کڑک کر کہا:

"ٹھہرو، بچ کر کہاں جاتے ہو۔ تُم نے ہمارے بادشاہ کو ذلیل کیا ہے۔ تُم کو اِس حرکت کی سزا ملنی چاہیے۔"

عَلَم شاہ نے ہنس کر کہا۔ "بے وقوف، بہتر یہی ہے کہ اپنی جانیں سلامت لے جاؤ اور اگر مجھ سے کوئی شکایت ہے تو اپنے بادشاہ جمشید کو یہاں بھیجو۔ وُہ مجھ سے بات کرے۔"

سپاہیوں نے کُچھ جواب دیے بغیر تلواریں کھینچیں اور لڑائی پر آمادہ ہُوئے۔ تب عَلَم شاہ اور سُلطان سعد بھی مُستعد ہُوئے اور اُنہوں نے ایسی شمشیر زنی کی کہ کُشتوں کے پُشتے لگا دِیے۔ لڑائی کی یہ خبر نوشیرواں کے کانوں تک پہنچی۔ خواجہ بزُرجمہر نے نوشیرواں کو سمجھایا کہ "اے بادشاہ، سپاہیوں کو روک۔ وُہ عَلَم شاہ اور سُلطان سعد کو کوئی نقصان نہ پُہنچا سکیں گے اور مُفت میں تیری بدنامی ہو گئی کہ اِس کی وجہ سے جمشید کے اِتنے آدمی مارے گئے۔"

یہ بات نوشیرواں کی سمجھ میں آ گئی۔ حکم دِیا کہ ابھی جاؤ اور جمشید کے آدمیوں کو لڑنے سے روکو۔ اُسی وقت چند آدمی بھاگے ہُوئے آئے اور اُنہوں نے لڑائی بند کرائی۔ عَلَم شاہ اور سُلطان سعد اپنی بار گاہ میں آئے اور شہزادہ قباد شہریار سے سارا حال بیان کیا۔ سعد خُوش ہو کر بار بار عَلَم شاہ سے کہتا تھا کہ چچا جان، آپ نے اُس آتش پرست جمشید کو خُوب ذلیل کیا۔ قباد شہریار بھی بُہت خُوش تھا۔ اُس نے کہا۔ ”اگر ابّا جان، مجھے حملہ کرنے کی اِجازت دے جاتے تو قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ جمشید کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔“

تین دِن گُزرے تھے کہ ایک قاصِد آیا اور اُس نے یہ دردناک خبر سُنائی کہ کپتان زنگی نے عَلَم شاہ کے نانا کاؤس رُومی کو قتل کیا اور اُس کے دونوں ماموؤں آصف اور الیاس کو پڑھ کر قید خانے میں ڈال دِیا ہے۔ اِتّفاق ایسا ہُوا کہ جِس وقت یہ قاصِد آیا، اُس وقت عَلَم شاہ اپنے دوستوں میں بیٹھا اپنی بہادری اور طاقت کا ذکر کر رہا تھا۔ شہزادہ قباد شہریار اُس قاصِد کو عَلَم شاہ کے پاس لے آیا

اور کہا۔

”اے عَلَم شاہ، تُم یہاں بیٹھے ہُوئے زمین آسمان کے قُلابے ملا رہے ہو۔ دیکھو یہ قاصِد کہتا ہے کہ کپتان فرنگی نے تمہارے نانا کاؤس رُومی کو قتل کیا اور تمہارے ماموں آصف اور الیاس اُس کی قید میں ہیں۔ اگر تُم میں ذرا بھی غیرت ہے تو ابھی جاؤ اور کپتان سے اِنتقام لو۔“

قباد شہریار کی یہ بات سُن کر عَلَم شاہ غُصّے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ ایک طمانچہ قباد شہریار کے اِس زور کا مارا کہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب پہلوان طیش میں آئے اور لِندھور کی آنکھوں میں تو خُون اُتر آیا۔ گرج کر کہنے لگا:

”اے عَلَم شاہ، تُو نے یہ کیا بے ادبی کی؟ جانتا نہیں کہ قباد ہمارا بادشاہ اور حمزہ کا بیٹا ہے۔ اگر امیر حمزہ مجھے قسم نہ دے گئے ہوتے تو ابھی تیرے دو ٹکڑے کر دیتا۔“

عَلَم شاہ نے کُچھ جواب دیے بغیر جھٹ سے اپنا خنجر لِندھور کے کھینچ مارا۔

لِندھور نے وار خالی دیا۔ مگر پِھر بھی کندھا زخمی ہو ہی گیا۔ لِندھور دانت پِیس کر بولا:

"اے عَلَم شاہ، تو چاہتا کیا ہے؟"

"یہی کہ مجھے بے غیرت کہنے والا اِس دُنیا میں نہ رہے۔"

لِندھور چند لمحے کانپتا رہا۔ پھر آہستہ سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ اب تو یہاں سے نِکل جا ورنہ فساد برپا ہو گا اور تیری آبرو میں فرق آئے گا۔"

عَلَم شاہ نے بھی دیکھ لِیا تھا کہ بہرام، استفتا نوش اور بخت مغربی کے تیور بگڑے ہُوئے ہیں اور اِن سے مُقابلہ کرنا مُمکن نہیں ہے۔ پس وُہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنی فوج کو ساتھ لے کر رُوم کی جانِب روانہ ہُوا۔

عَلَم شاہ کے کارنامے

سُلطان سعد کو عَلَم شاہ سے بے حد محبّت تھی اور اُسے عَلَم شاہ کا یُوں چلے جانا سخت ناگوار گزرا تھا۔ وُہ بھی گھوڑے پر سوار ہُوا اور لِندھور کی آنکھ بچا کر عَلَم شاہ کے پیچھے چلا گیا۔ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ کِسی سپاہی نے عَلَم شاہ کو بتایا کہ سُلطان سعد آتا ہے۔ عَلَم شاہ نے گھوڑا روکا اور حیرت سے کہنے لگا:

"اے سعد، تُو کیوں آیا؟ میں تو اپنی زندگی سے بے زار ہُوں۔ حقیقت میں مجھ سے بڑی بُری حرکت ہُوئی۔ مجھے قباد کے طمانچہ نہیں مارنا چاہیے تھا۔ سوچتا ہُوں کہ امیر حمزہ کو اپنی شکل کیسے دِکھاؤں گا۔"

سُلطان سعد نے جواب دِیا۔ "چچا جان، قباد بھی میرا چچا ہے اور آپ بھی۔ یہی عزّت میرے دِل میں لِندھور کی ہے۔ میں اِس مُعاملے میں کیا بولوں اور کیا

رائے دُوں۔ ہاں، یہ جانتا ہُوں کہ آپ کا ساتھ کِسی قیمت پر نہ چھوڑوں گا۔ خُدا کے لِیے مجھے بودا اور کم زور نہ جانیے اور اگر آپ نے مجھے ساتھ نہ لِیا تو اللہ جانتا ہے کہ پتھّروں سے سر پھوڑ کے مر جاؤں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لہراسپ بھی گھوڑا دوڑاتا ہُوا وہاں پُہنچ گیا۔ عَلَم شاہ نے کہا۔ "اے لہراسپ کیوں چلا آیا ہو؟"

لہراسپ نے محبّت کی نظروں سے سعد کو دیکھا کہنے لگا۔ "سُلطان سعد میرے مرحوم دوست عامر کی نشانی ہے۔ اِس لِیے مجھے بے حد عزیز ہے۔ جہاں یہ جائے گا، میں بھی وہیں جاؤں گا۔"

اِتنے میں لہراسپ کا غُلام زنگادہ بھی آیا اور کہنے لگا کہ جہاں آقا وہیں اُس کا غُلام۔ میں اِس سے الگ نہیں رہ سکتا۔ یکایک ایک اور شخص دوڑتا ہُوا آیا۔ وُہ سیّارہ تھا۔ غرض یہ چاروں عَلَم شاہ کے ساتھ رُوم کی جانب روانہ ہُوئے۔

اُدھر قباد کو ہوش آیا تو بڑا پریشان ہُوا۔ کِسی نے لِندھور سے کہا۔ "تُم نے عَلَم شاہ کو جانے کیوں دیا۔ اِس گُستاخی کی سزا اُسے ضرور ملنی چاہیے تھی۔"

لِندھور نے کہا۔ "شاید آپ بھُول گئے کہ عَلَم شاہ بھی حمزہ ہی کا بیٹا ہے اور اُس کی قدر قباد سے کُچھ کم نہیں ہے۔"

تب قباد شہریار کہنے لگا کہ "ہاں، لِندھور صحیح کہتا ہے۔ کُچھ قصُور میرا بھی ہے۔ مجھے ایسی گِری ہوئی بات عَلَم شاہ سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔ بہر حال اب جو ہُوا سو ہُوا۔ اِس قصّے پر خاک ڈالو۔"

کپتان فرنگی، مرزُوق فرنگی کا بیٹا تھا اور دولائے فرنگی کی موت کا اِنتقام لینے کو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ رُوم پہ چڑھ آیا تھا۔ اُس نے خُوب قتلِ عام کیا۔ کاؤس رُومی کو مارا اور آصف و الیاس کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دِیا۔

عَلَم شاہ جب فوج کو لے کر رُوم کے نزدیک پُہنچا تو تباہی اور بربادی کے آثار دیکھے۔ جابجا ہزارہا رُومیوں کی لاشیں پڑی تھیں جنہیں گِدھ اور کُتّے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ نہروں کا پانی خُون سے سُرخ ہو رہا تھا۔ مکان آگ میں جل جل کر گِر چکے تھے۔

عَلَم شاہ نے حکم دِیا کہ کاؤس رُومی کی لاش تلاش کی جائے، تِین روز کی جان توڑ

کوشش کے بعد کاؤس کی لاش ملی۔ عَلَم شاہ اُسے دیکھ کر خُوب رویا۔ پھِر دفن کر دِیا۔ پھر پُوچھا کہ کپتان فرنگی کہاں ہے؟ ہامان وزیر نے بتایا کہ وُہ دریا کے پار پڑاؤ ڈالے ہُوئے ہے اور ہمارے چار سو آدمی اُس کی قید میں ہیں۔ تب عَلَم شاہ نے کہا کہ میں کپتان کے لشکر میں جاتا ہُوں۔ یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہُوا۔ ہامان نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اسے رُستم، آپ اکیلے وہاں نہ جایئے؟ اِس میں جان کا خطرہ ہے۔"

"اے ہامان، مجھ کو اپنی جان کی پروا نہیں ہے۔ خُدا محافظ ہے۔"

اِتنے میں سیّارہ رُومی قریب آیا اور کہنے لگا۔ "ایک انوکھی تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔ مگر پہلے قسم کھایئے کہ جو مشورہ دُوں گا، آپ اُس پر عمل کریں گے۔"

عَلَم شاہ نے قسم کھائی، تب وُہ کہنے لگا۔ "میں ایک نقّارہ لاتا ہُوں۔ آپ چل کر کپتان کی فوج پر شب خُون ماریں۔ میں نقّارہ بجاؤں اور آپ یہ نعرہ لگائیں کہ میں حمزہ ہُوں۔ پھِر سُلطان سعد یہ نعرہ لگائیں کہ میں لِندھور ہُوں، سراندیپ

کے ہزار جزیرے کا بادشاہ اور لہراسپ یہ نعرہ بلند کرے کہ میں مالک اژدر ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ اِن نعروں سے کپتان فرنگی اور اُس کی فوج میں کھلبلی مچ جائے گی۔"

عَلَم شاہ کو سیّارہ رُومی کی یہ عیّاری پسند آئی اور اُس پر عمل کرنے کا اِرادہ کر لِیا۔ تب سیّارہ نے عَلَم شاہ سے کہا آپ اس ٹیلے پر تھوڑی دیر آرام کریں۔ میں ابھی نقّار خانے میں جاتا ہُوں۔ یہ کہہ کر اُس نے نقّار خانے کا رُخ کیا۔

اِدھر عَلَم شاہ کی طبیعت میں جلد بازی بُہت تھی۔ جب سیّارہ کے آنے میں کُچھ دیر ہوئی تو وُہ کہنے لگا:

"معلُوم ہوتا ہے کہ سیّارہ نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ اب میں زیادہ دیر اِنتظار نہیں کر سکتا اور کپتان کے لشکر کی جانب جاتا ہُوں۔"

لہراسپ اور سعد نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی مگر اُس نے کِسی کا کہا نہ مانا اور اُن دونوں کو ناراض کر کے چلا گیا۔ دریا کی طرف جو راستہ جاتا تھا، اُس پر تو نہ گیا بلکہ ایک لق و دق صحرا کی طرف جا نِکلا۔ آسمان سے سُورج آگ برسا رہا

تھا اور تیز لُو چل رہی تھی۔ مارے پیاس کے عَلَم شاہ کی زبان میں کانٹے پڑ گئے مگر وہاں ریگستان میں پانی کہاں؟ کُچھ دُور جا کر دیکھا کہ ایک بُلند ٹیکرا ہے اور اُس ٹیکرے پر سایہ دار درخت کثرت سے ہیں۔ قریب ہی ایک گہرا کُنواں بھی ہے۔ کُنویں سے پانی نِکالنے کے لِیے رسّی اور ڈول کا انتظام بھی ہے۔ عَلَم شاہ بھاگم بھاگ کُنویں کے نزدیک آیا۔ دیکھا کہ اُس کی منڈیر پر نہایت خُوب صُورت آبخورے شفّاف اور سرد پانی سے بھرے دھرے ہیں۔ ایک آبخورہ اُٹھا کر مُنہ سے لگانے کا اِرادہ کیا ہی تھا کہ ٹیکرے کی طرف سے آواز آئی

"اے پانی پینے والے بھائی، ذرا رُک جا۔۔۔ تُو پسینے میں شرابور ہے۔ ایک دم پانی پینا مُناسب نہیں ہے۔ اِس ٹیکرے پر چند لمحوں کے لِیے آ جا۔ پھر پانی پیجیو۔"

عَلَم شاہ نے یہ آواز سُنی، آب خورہ ہاتھ سے رکھ دِیا اور ٹیکرے پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک درویش جِس کی سفید لمبی ڈاڑھی اور ایسی ہی بھویں ہیں، ایک ہاتھ میں حُقّہ اور دُوسرے میں پنکھا لِیے بیٹھا ہے۔ عَلَم شاہ کو دیکھتے ہی کہنے لگا:

"آیئے، تشریف لایئے۔ فقیر کی گدڑی حاضر ہے۔"

عَلَم شاہ نے دِل میں سوچا کہ یہ ضرور کوئی پُہنچا ہُوا بُزرگ ہے۔ نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور دو زانو ہو کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ فقیر نے حُقّہ اور پنکھا شاہ کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا۔

"آپ کی کیا خاطِر کروں؟ لیجئے حُقّہ نوش فرمایئے اور پنکھا جھلیے تا کہ پسینہ خُشک ہو اور آپ کے ہوش حواس بجا ہُوں۔"

فقیر کی جھونپڑی کے نزدیک چند پنجرے رکھے تھے جِن میں طرح طرح کے حسین پرندے بند تھے۔ فقیر پرندوں کر دانہ پانی دینے لگا۔ تھوڑی دی بعد عَلَم شاہ نے کہا۔

"حضرت، اگر حکم ہو تو اب پانی پیوں؟"

"ہاں ہاں، ضُرور۔ اب کُچھ مضائقہ نہیں۔" فقیر نے کہا۔ "آپ پانی پی کر یہیں آیئے۔ میرے بستر پر آرام کیجئے۔ ابھی دُھوپ تیز ہے۔ شام کو ٹھنڈے وقت چلے جایئے گا۔"

عَلَم شاہ نے پانی پیا۔ جان میں جان آئی۔ پھِر فقیر کے بستر پر آن لیٹا۔ اِتنے میں فقیر پرندوں کو دانہ پانی دے کر فارغ ہُوا۔ پھِر شیشے کی ایک عُمدہ پیالی لایا، ایک سنہری ڈبیا کھولی جِس میں افیون رکھی تھی۔ ڈبیا میں افیون کی ایک گولی نِکالی اور پیالی میں گھولنے لگا۔ حُقّہ تازہ کر کے اپنے آگے رکھا اور ایک فلک شگاف نعرہ لگایا۔ عَلَم شاہ حیرت سے فقیر کی یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ فقیر نے افیون کی چُسکی لگائی اور عَلَم شاہ سے کہا:

"میاں مُسافر گھبرانا نہیں۔ یہاں تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ جو عجیب واقعات تمہیں دِکھائی دیں، اُن کو یہیں بستر پر لیٹے لیٹے دیکھنا۔"

تھوڑی دیر بعد فقیر نے دوسرا نعرہ لگایا۔ جوں ہی یہ نعرہ ختم ہُوا، گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آنے لگی۔ عَلَم شاہ نے خیال کیا کہ دیکھیے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اچانک چار نقاب پوش نمودار ہُوئے۔ ٹیکرے کے نزدیک آن کر اپنے اپنے گھوڑے سے اُترے اور فقیر کے پاس آن کر بیٹھ گئے۔ پھر ایک نے کہا۔

"لائیے شاہ صاحب۔"

اِس بار مردِ پُراسرار نے وہی افیون کی پیالی اور بھرا ہُوا حُقّہ پیش کیا۔ اِن چاروں نقاب پوشوں نے اُس پیالی میں سے ایک ایک چُسکی افیون کی لگائی اور حُقّے کا ایک ایک کش لگا کر فقیر سے کہنے لگے۔

”ہاں شاہ صاحب، اب فرمایئے کہ آپ کا کیا کام کرنا ہے تاکہ جلد کر دِیا جائے۔“

فقیر نے عَلَم شاہ کی طرف اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ ”یہ مُسافر جو لیٹا ہے، دینِ ابراہیمی پر ایمان رکھتا ہے اور کپتان فرنگی کے مُقابلے کو تنہا جاتا ہے۔ راہ بھُول کر میری جانب آ نِکلا۔ اس کا وہاں تک پہنچنا دُشوار ہے۔ اِس لِیے آپ کو تکلیف دی ہے کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو اِس کی مُشکل آسان ہو جائے۔“

یہ سُن کر اُن چاروں نے گردن اُٹھا اُٹھا کر عَلَم شاہ کو دیکھا۔ پھِر کہنے لگے۔ ”شاہ صاحب، ہم آپ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ بھائی، اُٹھیے اور ہمارے ساتھ تشریف لے چلیئے۔“

عَلَم شاہ اُن کے ساتھ چلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کا اِرادہ کیا مگر ایک

نقاب پوش نے اُس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور کہا۔ ”میاں مُسافر ذرا آنکھیں بند کرو۔“

عَلَم شاہ نے آنکھیں بند کیں۔ چند لمحے بعد آواز آئی ”آنکھیں کھول دو۔“

عَلَم شاہ نے آنکھیں کھولیں۔ اپنے آپ کو اُسی ٹیلے کے نزدیک کھڑے پایا جہاں سے چلا تھا۔ نِگاہ سامنے اُٹھائی تو دیکھا کہ سیّارہ رُومی نقّارہ گلے میں لٹکائے چلا آتا ہے۔ عَلَم شاہ نے کہا۔

”اے سیّارہ، تُو نے نقّارہ لانے میں اِتنی دیر کیوں لگائی۔“

سیّارہ حیران ہو کر عَلَم شاہ کی صُورت دیکھنے لگا۔ چِلاّ کر بولا۔ ”ابھی چند لمحے پہلے تو میں نقّارہ لینے گیا۔ آپ فرماتے ہیں دیر ہو گئی۔“

یہ سُن کر عَلَم شاہ کے ہوش اُڑے۔ کُچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ اُس نے دِل میں کہا کہ میں اُس کی جھونپڑی میں کم از کم دو پہر ضُرور رہا ہُوں گا اب یہ سیّارہ کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ چند لمحے گُزرے ہیں۔ اُس نے سُورج کی طرف نگاہ کی۔ اندازہ ہُوا کہ جِس وقت ٹیلے پر آیا ہے۔ سُورج اُسی جگہ

چمک رہا تھا اب تک۔

قصّہ مُختصر، اِس عجیب واقعے پر سر دھنتا شام کے وقت دریا پار پہنچا۔ وہاں کپتان فرنگی کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ عَلَم شاہ نے سب سے پہلے کپتان فرنگی کا جھنڈا کاٹ کر زمین پر گرایا۔ پھر خیموں کی طنابیں کاٹ ڈالیں۔ اِتنے میں سیّارہ رُومی نے نقّارہ بجایا۔ سعد نے لِندھور کا نعرہ لگایا۔ پھر لہراسپ نے مالک اژدر کا نعرہ لگایا۔ فرنگی کے جو سپاہی اپنے خیموں میں آرام کر رہے تھے، بیدار ہو گئے اور تلواریں سنبھال کر باہر آئے۔ دیکھا کہ ہر طرف غُل مچا ہُوا ہے۔ جلتی ہُوئی مشعلیں بجھ گئی ہیں۔ گھوڑے بُری طرح ہنہنا رہے ہیں۔ بہت سے سپاہی خیموں کے نیچے دَب کر چِلّا رہے تھے۔ جب اُنھوں نے نقّارے کی آواز سُنی تو سمجھے کہ دُشمن کی فوج نے حملہ کر دِیا ہے۔ پس وُہ تلواروں سے ایک دوسرے ہی کو کاٹنے لگے۔ اِتنے میں عَلَم شاہ نے امیر حمزہ کا نعرہ بُلند کیا۔ کپتان فرنگی کو خبر ہُوئی۔ وُہ اپنے خیمے سے نِکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ عَلَم شاہ نے دُوسرا نعرہ لگایا تو فرنگی سمجھا کہ امیر حمزہ نے حملہ کیا ہے۔ للکار کر

کہنے لگا۔

”اے حمزہ، میں نے تیری بہادری کے جو قصّے سُنے تھے، وُہ سب جھُوٹ نکلے۔ رات کی تاریکی میں تُو نے ہم پر حملہ کیا۔ یہ کہاں کی دلیری ہے؟ اچھّا، اب تو آ ہی گیا ہے تو اپنے حوصلے نِکال لے۔ مگر میرے سامنے نہ آئیو ورنہ ٹکڑے اُڑا دُوں گا۔“

عَلَم شاہ نے فرنگی کے یہ کلمے سُنے تو خُون جوش مارنے لگا۔ لڑتا بھِڑتا اُس کے قریب پُہنچ ہی گیا اور گرج کر کہا۔

”اے فرنگی، تُو مجھے نہیں جانتا۔ میں رُستم فیل تن ہُوں۔ میں نے دوِیل ہندی اور قوِیل ہندی جیسے پہلوانوں کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔ تیری کیا ہستی ہے۔“

کپتان فرنگی نے سات من کا گُرز اُٹھا کر عَلَم شاہ پر حملہ کیا۔ عَلَم شاہ نے ڈھال پر وار روکا۔ پھر اللہ کا نام لے کر اپنا گُرز گھُمایا اور پوری قوّت سے کپتان کے سر پر دے مارا۔ ایک ہولناک آواز بُلند ہوئی اور فرنگی اپنے گھوڑے سمیت

آدھا زمین میں دھنس گیا۔ پھر عَلَم شاہ نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ خربوزے کی پھانک کی طرح اُس کا جسم کٹ کر دو حِصّوں میں تقسیم ہو گیا۔

کپتان فرنگی کے مرنے سے اُس کی فوج کا جی چھُوٹ گیا۔ سب سپاہی بے تحاشا بھاگے۔ ایک مقام پر آصف اور الیاس اپنے چار سو آدمیوں سمیت قید تھے۔ اُن کو رہا کیا گیا۔ عَلَم شاہ نے اُنہیں سلام کیا۔ آصف اور الیاس نے اُسے گلے سے لگایا اور پِیٹھ ٹھونکی۔

اچانک لہراسپ خُون میں نہایا ہُوا آیا۔ اُس وقت عَلَم شاہ کو سعد کا خیال آیا۔ پُوچھا کہ سُلطان سعد کہاں ہے۔ لہراسپ نے جواب دِیا۔ "مجھے کیا معلُوم۔ میں تو آپ کے ساتھ ہی ساتھ دُشمنوں سے لڑ رہا تھا۔"

اب عَلَم شاہ کا یہ حال ہُوا کہ فتح کی ساری خُوشی جاتی رہی۔ بے چین ہو کر سیّارہ رُومی سے کہا۔ "جلد سعد کو تلاش کر۔ اُس کے بغیر میری زندگی بیکار ہے۔"

سیّارہ رُومی نے سعد کو ہر طرف ڈھونڈا مگر کہیں نہ پایا۔ آخر ایک ادھ موئے فرنگی سپاہی نے بتایا کہ اِس حُلیے کے ایک نوجوان کو کپتان فرنگی کے سپاہیوں

نے زخمی کر دِیا تھا۔ پھر بھاگتے ہُوئے اُسے بھی ساتھ لے گئے ہیں۔ خیال ہے کہ اُنھوں نے اُس نوجوان کو پہچان لِیا تھا کہ یہی حمزہ کا پوتا ہے اور شاید کسی وقت اُس کے ذریعے ہم حمزہ سے اپنی من مانی شرطیں منوا سکیں۔

سیّارہ نے یہ بات عَلَم شاہ کو بتائی۔ عَلَم شاہ سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا۔ ”سعد کا گرفتار ہونا قیامت ہے۔ اب تُو اپنا کر کہ ایک خط امیر حمزہ کے نام لکھ اور اُن کے پاس مکّے جا۔ میں سعد کو رہا کرانے مُلک فرنگستان جاتا ہُوں۔“

اِس خط میں عَلَم شاہ نے شُروع سے آخر تک ہر بات امیر حمزہ کو لِکھوائی تھی۔ سیّارہ یہ خط لے کر مکّے روانہ ہُوا۔ عَلَم شاہ لہراسپ کو لے کر سمندر کے کنارے آیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز سفر پر روانہ ہونے کے لِیے تیّار ہے۔ ملّاحوں سے کہا کہ ہم تمھیں مُنہ مانگا انعام دیں گے۔ جتنی جلد مُمکن ہو ہم کو فرنگستان میں پُہنچا دو۔

سُلطان سعد کو دراصل کپتان فرنگی کا وزیر ریحان پکڑ کر لے گیا تھا۔ جب وہ مُلک فرنگستان میں پُہنچا تو مرزُوق کو اِطّلاع دی کہ کپتان فرنگی عَلَم شاہ کے

ہاتھوں اپنی موت کو پُہنچا اور ہمیں شکست ہوئی۔ اب میں حمزہ کے پوتے سُلطان سعد کو گرفتار کر کے لایا ہُوں۔

مرزُوق فرنگی کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کا نہایت صدمہ ہُوا کہ اُسی وقت کھانا پینا چھوڑ دِیا۔ ہر قسم کے جشن، کھیل تماشے مُلک بھر میں موقُوف کر دیے گئے اور سب نے کالے کپڑے پہن لِیے۔ جب ریحان نے دربار میں آ کر کپتان کے مارے جانے کا واقعہ سُنایا تو مرزُوق اور اُس کے سردار آلا گرد فرنگی سپہ سالار، مالا گرد فرنگی اور پیکران فرنگی خُوب روئے پیٹے۔ آخر مرزُوق نے حکم دِیا کہ سُلطان سعد کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ سعد دربار میں آیا اور کِسی کو سلام نہ کیا بلکہ بہادری سے سینہ تان کر کھڑا رہا۔ اُس کے ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہُوئی تھیں۔ مرزُوق نے حیرت سے اُس نوجوان کو دِیکھا اور کہنے لگا:

”اے لڑکے، کیا تجھے کِسی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ اپنے سے بڑوں کو سلام کرنا چاہیے؟“

سعد نے بے خوفی سے جواب دِیا: ”بُزدِلوں کو ہمارے مذہب میں سلام کرنا جائز نہیں۔“

یہ سُن کر مرزُوق کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ دانت پیس کر بولا: ”اے لڑکے ہوش میں آ۔ زبان ٹھیک کر ورنہ مارا جائے گا۔“

”او بُزدِل، تُو زیادہ سے زیادہ یہی دھمکی دے سکتا ہے۔“ سعد نے کہا۔ ”میرے ہاتھ پیر زنجیروں میں بندھے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لِیے اِنہیں کھلوا دے اور میرے ہاتھ میں تلوار دے دے۔ پھِر دیکھتا ہُوں کون مجھے مارتا ہے۔“

مرزُوق نے چِلاّ کر کہا۔ ”او بد بخت، میں تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہُوں؟“ یہ کہہ کر مرزُوق نے تلوار کھینچی اور سعد کی طرف لپکا۔ اُسی وقت ریحان سامنے آیا اور ہاتھ باندھ کر بولا ”حضُور ایک عرض میری بھی سُن لیجیے۔ اگرچہ یہ لڑکا اپنی گُستاخوں کی وجہ سے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتا مگر مصلحت یہ ہے کہ اِسے ابھی چند روز کے لِیے زندہ رہنے دِیا جائے۔ مجھے یقین

ہے کہ عَلَم شاہ اِسے رہا کرانے کی نیّت سے فرنگستان میں ضرور آئے گا۔ پھر آپ عَلَم شاہ کے ساتھ ہی اِسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیجئے۔"

ریحان کی رائے مرزُوق فرنگی کو بہت پسند آئی۔ اُس نے جیل خانے کے داروغہ اشقش کو طلب کر کے سعد کو اُس کے سپُرد کیا اور کہا۔ "اِس لڑکے کو خُداوندِ زرّیں تن کے پاس لے جا۔ وُہ جیسا حکم دے، ویسا ہی کرنا۔"

اشقش سُلطان سعد کو خُداوندِ زرّیں تن کے پاس لے گیا۔ وُہ ایک خُوش نما اور وسیع باغ میں رہتا تھا۔ اُس باغ میں ایک عالی شان بارہ دری یاقُوت کی بنی ہُوئی تھی اور خُداوندِ زرّیں تن ایک مسندِ جواہر نگار پر نہایت غُرور سے گردن اکڑائے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف طرح طرح کے چھوٹے بڑے بُت دھرے تھے۔ معلُوم ہُوا کہ یہ سب بُت فرنگستان میں پوجے جاتے ہیں اور اِن بُتوں کا سردار خُداوندِ زرّیں تن ہے۔

اشقش نے آتے ہی خُداوند کو سجدہ کیا مگر سُلطان سعد ویسے ہی کھڑا مُسکراتا رہا۔ خُداوندِ زرّیں تن کو اِس گُستاخی پر طیش آیا۔ کہنے لگا "او لڑکے، تُو نے

ہمیں سجدہ نہیں کیا؟"

"ہم اپنے جیسے آدمیوں کو نہ خُدا مانتے ہیں اور نہ اُنہیں سجدہ کرتے ہیں۔"
سعد نے جواب دِیا۔

اشقش نے سعد سے کہا۔ "اے لڑکے، اپنی جوانی پر ترس کھا اور خُداوند کو سجدہ کرکے جان بچالے۔ ورنہ یادرکھ کُتّے کی موت مارا جائے گا۔"

سعد نے زور سے کہا۔ "اے اشقش، کیا بکواس کرتا ہے۔ یہ کام مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ معلُوم ہوتا ہے تمہارا یہ خُداوند کوئی شیطان یا شیطان کا بچّہ ہے۔ میں اِس پر لاکھ لاکھ لعنت بھیجتا ہُوں۔"

سعد کی یہ باتیں سُن کر خُداوندِ زرّیں تن غُصّے سے کانپنے لگا۔ مُنہ میں جھاگ لا کر بولا۔ "اے سعد، ہم نے تیرے دادا حمزہ کو کوہ قاف میں بھیجا اور اُسے ہیبت ناک دیوؤں پر فتح دی۔ پھر وہاں سے بحفاظت بُلا کر نوشیرواں کے ملک اُس کو دِلوائے۔ پھر تجھ کو اور عَلَم شاہ رُومی کو صرف چار آدمیوں کی مدد سے نو لاکھ سپاہیوں پر فتح دی۔"

"او مردود، یہ کیا کہتا ہے۔" سعد نے للکار کر کہا۔ "یہ سب خدائے واحد کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے میرے دادا حمزہ کو یہ فتوحات دیں۔ تو کیا اور تیری ہستی کیا۔"

اب تو خُداوندِ زرّیں تن کے غضب کی انتہا نہ رہی۔ اشقش سے کہا "لے جاؤ اِس گُستاخ کو اور جہنّم میں ڈال دو۔"

تب اشقش نے ہاتھ باندھ کر زرّیں تن سے کہا کہ اِس لڑکے کا ابھی مار ڈالنا مُناسب نہیں۔ اِس کے ذریعے ہم عَلَم شاہ پر قابو پا سکیں گے اور پھر دونوں کو ایک ہی مرتبہ جہنّم میں ڈالیں گے۔ زرّیں تن یہ سُن کر خُوش ہُوا۔ کہنے لگا۔ "تمہاری بات معقول ہے۔ عَلَم شاہ کے آنے تک اِسے قید میں رکھو۔"

اشقش نے سعد کو قید خانۂ قُدرت میں لے جا کر رکھا۔ یہ بہت بڑا قید خانہ تھا۔ اُدھر ریحان مکّار نے مرزُوق سے کہا کہ عَلَم شاہ ضُرور فرنگستان میں آئے گا۔ اُس کی شکل سعد سے بے حد ملتی ہے۔ اِس لیے ضروری ہے کہ سعد کی بُہت سی تصویریں مصوّروں سے بنوا کر پورے ملک میں پھیلا دی جائیں اور یہ

منادی کرادی جائے کہ جہاں اِس حُلیے کا آدمی نظر آئے، اُسے پکڑ کر دربار میں بھیج دِیا جائے۔

مرزُوق کو یہ تدبیر پسند آئی اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

اب عَلَم شاہ کی سُنیے۔ کئی روز تک تو اُس کا جہاز سمندر میں ٹھیک ٹھاک چلتا رہا۔ پھر ایک رات غضب کا طوفان آیا۔ اُونچی اُونچی لہریں اُٹھنے لگیں اور اُن لہروں نے جہاز کر ایک گیند کی طرح اِدھر سے اُدھر پھینکنا اور اُچھالنا شروع کر دِیا۔ آخر جہاز کے پرخچے اُڑ گئے۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے ایک تختے پر پناہ لی اور موجوں میں ڈوبتے اُبھرتے نہ جانے کِدھر نِکل گئے۔

کئی روز تک یہ تختہ سمندر کی لہروں پر بہتا رہا۔ اُنہیں خبر نہ تھی کہ کِدھر جا رہے ہیں۔ اُوپر آسمان تھا اور نیچے حدِّ نظر تک پانی ہی پانی۔ ساتویں روز اُن کا تختہ ایک جزیرے کے کنارے جا کر رُکا۔ دونوں خُدا کا شکر بجا لائے اور جزیرے پر گھومنے پھِرنے لگے۔ یہاں پھل دار درخت کثرت سے تھے اور

ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے جا بجا بہہ رہے تھے۔ کئی روز کے بھوکے پیاسے تھے، اِس لِیے خُوب پیٹ بھر کر پھل کھائے اور پانی پیا۔ پھر ایک جگہ پڑ کر سو گئے۔

آنکھ کھلی تو اپنے قریب ایک شخص کو کھڑے پایا۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا:

"کیوں صاحب آپ کون ہیں اور اس جزیرے کا کیا نام ہے؟ کیا قریب ہی کوئی شہر ہے؟"

اُس نے ہنس کر کہا۔ "میاں تم راہ بھُول کر اِدھر آ نکلے ہو۔ یہاں شہر کیسا اور آبادی کہاں؟ یہ مُقام طلِسم ہے، فولاد حصار اِس کا نام ہے۔ جتنی جلد مُمکن ہو یہاں سے نِکل جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔"

عَلَم شاہ نے کہا "بہتر ہے۔ ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں مگر اتنا کرم کرو کہ ہمارے واسطے دو گھوڑے تو مُہیّا کر دو۔"

اُس شخص نے سیٹی بجائی تو فوراً دو خُوب صورت سفید گھوڑے دوڑتے ہُوئے آ گئے۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ اِس طلِسم سے حیران ہُوئے۔ کُچھ کہے بغیر اُن

گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور اللہ کا نام لے کر ایک طرف چل پڑے۔ پندرہ دن تک سفر کرتے رہے۔ راہ میں کہیں پانی ملتا تو پی لیتے اور درختوں سے پھل توڑ کر کھا لیتے۔ اِس دوران میں اُنہیں کوئی جانور اور کوئی انسان دِکھائی نہ دِیا۔ پرندے بھی نظر نہ آئے۔ سولہویں روز سارا دِن اُنہیں پانی نہ مِلا اور پیاس کے ہاتھوں سخت پریشان ہُوئے۔ اب دیکھا کہ کِسی باغ کا عالی شان دروازہ سامنے ہے۔ لہراسپ خُوش ہو کر کہنے لگا:

"اے رُستم، اِس باغ میں چلو۔ شاید وہاں پانی مِل جائے۔"

عَلَم شاہ اور لہراسپ دونوں باغ میں داخل ہُوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سُرخ رنگ کے چمک دار پتھّر کا بنا ہُوا ایک عالی شان محل ہے اور اُس محل کی بارہ دری میں ایک سو سالہ بُڈّھا گردن جھُکائے بیٹھا ہے۔ اُس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو گردن اُٹھا کر دیکھا۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے اُسے بزُرگ جان کر ادب سے سلام کیا۔ وُہ سلام کا جواب دیے بغیر کہنے لگا۔

"یارو تُم نے غضب کیا۔ گھوڑوں سمیت باغ میں گھس آئے۔"

”باباجی، یہ ڈانٹ ڈپٹ بعد میں کر لیجئے گا، پیاس کے مارے ہمارا بُرا حال ہے۔ پہلے پانی پلائیے۔“ لہراسپ نے کہا۔

یہ سُن کر وُہ بُڈّھا اُٹھ کر ایک طرف گیا اور شیشے کے دو گلاسوں میں پانی بھر کر لایا۔ اِن دونوں نے ایسا سرد اور شیریں پانی اِس سے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ جب کلیجا ٹھنڈا ہو گیا اور جان میں جان آئی تب عَلَم شاہ نے کہا ”بڑے میاں، آپ نے بڑی مہربانی ہم غریب مُسافروں پر فرمائی۔ آپ کا نام کیا ہے اور یہ باغ کِس کا ہے؟“

”مجھے بابالدّھا کہتے ہیں۔“ بُڈّھے نے کہا۔ ”اور یہ باغ ملکہ سمینہ بانو کا ہے جو مرزُوق فرنگی کے سپہ سالار آلاگرد کی بیٹی ہے۔ میں سب باغبانوں کا داروغہ ہُوں۔ میں نے سمینہ بانو کو گود میں کِھلایا ہے۔“

عَلَم شاہ نے کہا ”بابالدّھا، تمہاری کوئی اولاد بھی ہے؟“

”ارے بھائی، ہماری اب تک شادی ہی نہیں ہوئی۔“

یہ سُن کر عَلَم شاہ اور لہراسپ ہنس پڑے، پھِر عَلَم شاہ نے کہا۔ ”باباجی، فکر نہ

کرو۔ ہم تمہاری شادی کرا دیں گے۔"

یہ سُنتے ہی لدّھا خُوشی سے ناچنے لگا۔ اُس کے ناچنے پر عَلَم شاہ اور لہراسپ کو بڑی ہنسی آئی۔

ابھی یہ تماشا جاری تھا کہ ملکہ سمینہ بانو اور اُس کی کنیزیں، خواصیں اور لونڈیاں باغ میں آ گئیں۔ لدّھا کے اوسان خطا ہو گئے۔ گھبرا کر عَلَم شاہ سے کہنے لگا:

"جلدی سے کہیں چھُپ جاؤ۔ اگر ملکہ نے تُم کو دیکھ پایا تو زندہ نہ چھوڑے گی۔ اِسے مردوں سے سخت نفرت ہے۔ اور یوں بھی اِس باغ میں غیر مردوں کا آنا منع ہے۔."

عَلَم شاہ وہیں کھڑا رہا اور کہنے لگا۔ "سمینہ بانو آتی ہے تو آنے دو۔ ہم بھی اپنی جان بچانے کا گُر جانتے ہیں۔"

"ارے میاں، اپنی نہیں تو میری ہی جان پر ترس کھاؤ۔" لدّھا نے گڑگڑاتے ہُوئے کہا۔

”بابا لدّھا، تُم بُہت جی لیے۔ اب زیادہ جی کر کیا کرو گے؟“ لہراسپ نے جواب دِیا۔

یہ سُن کر لدّھا غُصّے میں آ کر بُرا بھلا کہنے لگا۔ اِتنے میں سمینہ بانو اور اُس کی سہیلیاں بارہ دری میں آ گئیں۔ دیکھا کہ بابا لدّھا دو حسین نوجوانوں سے تُو تُو میں میں کر رہا ہے۔ سمینہ بانو کی کنیز گُل عِذار نے اُسے ڈانٹا اور کہا۔

”بابا، یہ دو آدمی کون ہیں اور اِنہیں باغ میں آنے کی جُرأت کیوں کر ہوئی۔ جانتے نہیں کہ اِس باغ میں آنے کی سزا موت ہے۔“

”سرکار، یہ اجنبی مُسافر ہیں۔“ لدّھا نے کہا۔ ”پیاس کے مارے مر رہے تھے۔ پانی کی تلاش میں یہاں آ گئے۔ ابھی اِن کو نِکالے دیتا ہُوں۔“

”ٹھہرو، ذرا ہم اِن کی شکلیں تو دیکھیں۔“ سمینہ بانو نے کہا۔ پھر آگے آ کر جُونہی اُس کی نظر عَلَم شاہ پر پڑی حیرت سے دانتوں میں اُنگلی داب لی۔ پھر دِل میں کہا۔

”یہ تو وہی شخص ہے جِس کا نام عَلَم شاہ رُومی ہے اور سُلطان سعد کا چچا ہے۔“

دراصل سمینہ بانو نے سعد کی تصویر دیکھی تھی اور اس تصویر کی مدد سے عَلَم شاہ کو فوری پہچان لِیا۔ گُل عِذار سمجھ رہی تھی کہ اب اِن نوجوانوں کی قضا کو کوئی نہیں ٹال سکتا کیوں کہ اِس سے پہلے بھی سمینہ بانو بُہت سے آدمیوں کو باغ میں داخل ہونے پر مروا چُکی تھی۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سمینہ بانو نے عَلَم شاہ سے کہا۔ "بولیے اب آپ کو کیا سزا دی جائے؟"

"جو آپ کے جی میں آئے۔ ہم واقعی قصُوروار ہیں۔" عَلَم شاہ نے جواب دِیا۔

تب سمینہ بانو نے گردن جھکا لی۔ گُل عِذار کو اِن دونوں پر ترس آرہا تھا۔ اُس نے چُپکے سے کہا۔ "تُم لوگوں نے بڑا غضب کیا کہ یہاں آگئے۔ آگے بڑھ کر ملکہ کے قدم چھُو لو اور معافی مانگو۔ ممکن ہے تمہاری جان بچ جائے۔"

"اے خاتُون، ہم کِسی کے قدم چھُونے اور معافیاں مانگنے کے عادی نہیں ہیں۔" لہراسپ نے کہا۔

"بس تو پھِر مرنے کے لِیے تیّار ہو جاؤ۔ ارے بے وقُوفو اب بھی موقع ہے۔

ملکہ نے سزا کا حکم نہیں سُنایا ہے۔ سلام کر لو تو بچ جاؤ گے۔"

عَلَم شاہ نے کہا۔ "کہو تو تمہیں سلام کر لُوں۔ ملکہ کو تو سلام کبھی نہ کروں گا۔"

گُل عِذار نے جل کر کہا۔ "موت سر پر منڈلا رہی ہے اور مُوؤں کو مذاق سُوجھ رہا ہے۔ میری جُوتی کی نوک سے۔۔۔ مت کرو سلام۔"

ملکہ سمینہ نے گُل عِذار سے جھنجھلا کر کہا۔ "تجھے کیا پڑی ہے جو اِن کی خُوشامد کر رہی ہے۔ سلام نہیں کرتے تو نہ کریں۔ ہمیں اِن جیسوں کی کیا پروا ہے۔ اِن سے کہو، گھبرائیں نہیں۔ اِطمینان سے ایک طرف بیٹھ جائیں۔ ہم اجنبی مُسافروں کو کُچھ نہیں کہتے۔"

یہ سُن کر سمن رُخ نام کی ایک کنیز نے عَلَم شاہ سے کہا۔ "میاں، مُبارک ہو۔ جان بچ گئی۔ بیٹھنے کا حکم بھی مِل گیا۔"

سمن رُخ کے کہتے ہی عَلَم شاہ آگے بڑھا اور سمینہ بانو کے برابر تخت پر جا بیٹھا۔ کنیزوں نے شور مچایا کہ یہ گُستاخی کرتے ہو۔ خبر دار، اُٹھو وہاں سے۔ لیکن سمینہ بانو نے کنیزوں کو روکا اور کہا:

”یہ ہمارے مہمان ہیں۔ جہاں اِن کا جی چاہے، بیٹھیں۔ میری شان و شوکت میں کوئی فرق نہیں آتا۔“

کنیزیں یہ سُن کہ پیچھے ہٹ گئیں۔ اب سمینہ بانو نے عَلَم شاہ سے کہا۔ ”ہاں، اب سچ سچ بتاؤ، تُم اِس باغ میں کِس لِیے آئے تھے؟“

”بابالدّھا نے بتایا تو تھا کہ پانی کی تلاش میں آئے تھے۔ اِس نے ہم پر بڑی مہربانی کی، پانی پلایا۔ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ بابالدّھا کی شادی کرادیں گے۔“

سمینہ بانو اِس بات پر خُوب ہنسی اور بولی۔ ”میاں مُسافر، تُم بڑے ہنسوڑ آدمی ہو۔ اچھا، اپنا نام تو بتاؤ۔“

عَلَم شاہ نے کہا۔ ”اے ملکہ، تجھ کو میرے نام سے کیا کام۔ میرا نام نہ پُوچھ۔ اسے چھُپا ہی رہنے دے ورنہ یہاں کا کھانا پینا ہمارے لِیے حرام ہو جائے گا۔“

یہ سُن کر سمن رُخ کنیز نے ہنس کر کہا۔ ”واہ میاں مُسافر، وہی مثل ہے، مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ یہی کیا کم عنایت ہے کہ ہماری ملکہ نے تمہیں قتل نہ کروایا۔۔۔۔ اب زبردستی مہمان بنے جاتے ہو۔“

سمینہ بانو نے ناراض ہو کر سمن رُخ سے کہا۔ "چُپ رہ مُردار، کیوں ستاتی ہے۔ وُہ تو تیری بکواس کا کُچھ جواب دیتے نہیں اور تُو خواہ مخواہ میں ٹیں ٹیں کیے جاتی ہے۔"

پھِر سمینہ بانو عَلَم شاہ سے کہنے لگی۔ "اچھّا صاحب، آپ اپنا نام بتا دیجیے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کِسی سے نہ کہیں گے۔"

جب سمینہ بانو نے اپنی قسم دی تو عَلَم شاہ مجبور ہُوئے اور کہا۔ "میرا نام رُستم پیل تن پسرِ امیر حمزہ عَلَم شاہ ہے۔"

"آہ، تب تو کپتان فرنگی کو تمھیں نے مارا تھا؟"

"ہاں، میں نے ہی اُسے قتل کیا ہے؟"

یہ سُنتے ہی سب کنیزیں سنّاٹے میں آ گئیں اور خُون زدہ نظروں سے عَلَم شاہ کو دیکھنے لگیں۔ آخر سمینہ بانو نے اُن سے کہا۔

"خبردار، یہ بات کوئی زبان سے نہ نِکالے۔ اگر کِسی نے باغ سے باہر اِس کا ذکر کیا تو ناک کان کٹوا دُوں گی۔"

سُلطان سعد کی کہانی

عَلَم شاہ اور لہراسپ تو ملکہ سمینہ بانو کے باغ میں مزے اُڑا رہے ہیں اور اِدھر سُلطان سعد کو قلعۂ قُلّاب کے قید خانے میں پُہنچا دِیا گیا ہے۔ اشقش نے سعد پر ظلم و ستم کی اِنتہا کر دی ہے۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے اور پھِر بھی اُس کا جی نہیں بھرتا۔

مرزُوق فرنگی کی ایک بیٹی شہزادی گوہر بند ہے۔ جب سے اُس نے اپنے بھائی کپتان فرنگی کے مارے جانے کی خبر سُنی ہے، آٹھ پہر رویا کرتی ہے، بھائی کے غم میں سیاہ پوشاک پہنتی ہے۔ کھانا پینا چھُوٹ گیا ہے اور اپنا حال پاگلوں سا بنایا ہے۔ اُس کی تین سہیلیاں ہیں۔ ایک کا نام دِل رُبا، دوسری کا ہوش رُبا اور تیسری کا انجمن آرا۔ یہ تینوں سہیلیاں شہزادی گوہر بند کی حالت دیکھ کر

کڑھتی اور افسوس کرتی ہیں۔ اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہیں کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اِس طرح رنج کرنے اور اپنی جان کو گھلانے سے کیا فائدہ۔ مگر شہزادی گوہر بند پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اُسے بدستور رونے دھونے سے کام ہے۔

آخر اِن سہیلیوں نے مرزُوق فرنگی سے سب کیفیّت بیان کی اور کہا کہ اگر حکم ہو تو ہم چند روز کے لِیے شہزادی گوہر بند کو صحرا کی کھلی ہُوا میں لے جائیں اور اِدھر اُدھر کی سیر کرائیں تاکہ بھائی کے مرنے کا غم کُچھ غلط ہو ورنہ خطرہ ہے کہ شہزادی ہمیشہ ہمیشہ کے لِیے پاگل ہو جائے گی۔

مرزُوق یہ باتیں سُن کر فکر مند ہُوا اور کہا بے شک ہماری جانب سے اِجازت ہے۔ شہزادی کو جہاں جی چاہے لے جاؤ اور اُس کا دِل بہلاؤ۔ مگر خداوندِ زرّیں تن سے بھی اِجازت لے لو۔

قِصّہ مُختصر اُن سہیلیوں نے شہزادی گوہر بند کو اپنے ساتھ لِیا اور خُداوندِ زرّیں تن کے پاس لے گئیں۔ وہاں سب نے اُس کو سجدہ کیا اور اپنا حال بیان کِیا۔

زرّیں تن نے کہا۔

"قلعۂ قُلّاب کی جانب کا علاقہ بے حد صحت افزا ہے۔ شہزادی کو اُسی علاقے میں لے جاؤ۔"

صحرا میں آکر شہزادی کی طبیعت کُچھ سنبھلی اور کھانا پینا شُروع ہُوا۔ ایک دِن گھُومتے پھِرتے قلعۂ قُلّاب کے نزدیک آئی۔ اشقش نے شہزادی کے آنے کی خبر سُنی، بھاگا بھاگا آیا اور حیران ہو کر کہنے لگا:

"خیر تو ہے؟ آپ کے چہرے پر رنج کے آثار دِکھائی دیتے ہیں۔"

شہزادی نے آنکھ سے آنسو ٹپکاتے ہُوئے جواب دِیا۔ "اے اشقش، میرا حال مت پوچھو۔ جب سے بھائی کپتان فرنگی اِس دنیا سے رُخصت ہُوئے ہیں، غم کے مارے بُرا حال ہے۔ گھبرا کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس علاقے میں سیر کے لِیے نِکل آئی ہُوں۔ تجھے دیکھ کر بہت خُوش ہُوئی۔ کبھی کبھی یہاں آیا کروں گی۔"

شہزادی نے جو یہ الفاظ کہے تو اشقش دِل میں بے حد خُوش ہُوا۔ دِل میں کہا کہ

خُداوندِ زرّیں تن نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ شہزادی کو یہاں بھیجا۔ اب میں کوشِش کروں تو شہزادی سے شادی کر سکتا ہُوں۔

اشقش کی بُہت دِن سے خواہش تھی کہ وُہ شہزادی گوہر بند سے شادی کرے۔ مگر مرزُوق فرنگی سے درخواست کرنے کی ہمّت نہ ہوتی تھی۔ اب خُود بخُود کام بن رہا تھا۔ اِسی لِیے وُہ خُوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

''شہزادی صاحبہ، آپ نے اِس غُلام کی عِزّت افزائی کی ہے۔ اِس کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ میرے لائق کوئی خِدمت ہو تو فوراً حکم دیجئے گا۔ اس کی تعمیل میں جان لڑا دُوں گا۔ یہاں ایک پُر فضا اور خُوش نما باغ ہے۔ جِس میں سنگِ مَرمَر کی بارہ دری بنی ہے۔ کہیے تو اُسے آپ کے لِیے خالی کرا دُوں۔ چند دِن اُس میں آرام فرمایئے۔ آپ کا جی خُوش ہو گا۔''

اشقش نے ایسی چِکنی چُپڑی اور خوشامدانہ باتیں کیں کہ شہزادی گوہر بند اِس بارہ دری میں رہنے کے لِیے تیّار ہو گئی۔ اشقش اپنے ماتحتوں میں جا کر شیخی

بگھارنے اور ڈینگیں مارنے لگا کہ شہزادی گوہر بند خاص طور پر خُداوندِ زرّیں تن کی اِجازت سے یہاں آئی ہے اور مجھے میزبانی کا شرف عطا کیا ہے۔ ماتحتوں نے بھی اشقش کو خُوش کرنے کے لِیے زمین آسمان کے قُلابے ملائے اور کہا:

"ضرور کوئی بات ہے ورنہ شہزادی اِدھر آنے کے بجائے کِسی اور طرف چلی جاتی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ مرزُوق نے اِس کی شادی آپ سے کر دینے کا اِرادہ کر لیا ہے۔"

کئی دِن گُزر گئے۔ اشقش یہی کوشِش کرتا کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک بارہ دری میں شہزادی کے سامنے رہے اور اُس کی تعریفیں کرتا رہے۔ حتیٰ کہ اُس کی بے جا خوشامد سے شہزادی اُکتا گئی اور کہنے لگی:

"اے اشقش، تیری مہربانیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ اور اِس سے ہماری آزادی میں فرق آتا ہے۔ آیندہ سے خیال رکھنا، جب تک ہم خُود طلب نہ کریں، بارہ دری میں قدم نہ رکھنا۔"

یہ سُنتے ہی اشقش کا چہرہ اُتر گیا۔ کُچھ سمجھ میں نہ آیا کہ ایکا ایکی شہزادی کو کیا

ہُوا۔ گھبرا کر معافیاں مانگنے لگا مگر شہزادی نے ڈانٹ کر کہا۔ "اب ہمیں زیادہ پریشان نہ کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ جب تمہاری ضرورت ہو گی بُلا لیں گے۔" اشقش اپنا سا مُنہ لے کر بارہ دری سے چلا آیا۔

اُدھر شہزادی نے اپنی سہیلیوں کو ساتھ لِیا اور قلعۂ قُلّاب کی سیر کا اِرادہ کیا۔ پھِرتے پھِرتے قید خانے کے دروازے پر آن نکلی۔ دیکھا کہ دروازے پر ایک حبشی سپاہی، کندھے پر کلہاڑا رکھے پہرا دے رہا ہے۔ شہزادی کو دیکھتے ہی حبشی نے سلام کیا اور ادب سے پُوچھا۔

"حضُور شہزادی صاحبہ، کیا حکم ہے؟"

"اِس قید خانے میں کون ہے اور کِس قصُور پر اُسے قید کیا گیا ہے۔"

"شہزادی صاحبہ، اِس میں ایک خطرناک شخص بند ہے۔ اُس کا نام سُلطان سعد ہے اور یہ عَلَم شاہ رُومی کا بھتیجا اور امیر حمزہ کا پوتا ہے۔ اِسی نے کپتان زنگی کو مارا تھا۔"

حبشی سپاہی کی یہ بات سُن کر شہزادی کا غم تازہ ہو گیا۔ بھائی کی شکل آنکھوں

کے سامنے گھُومنے لگی۔ جلال میں آکر کہنے لگی "اے پہرے دار، جلد دروازہ کھول اور ہمیں اُس بدبخت قیدی کی صُورت دِکھلا۔"

حبشی سخت پریشان ہُوا۔ بدحواس ہوکر کہنے لگا: "حضُور، اِس قید خانے کا داروغہ اشقش ہے۔ اگر اُسے پتا چل گیا کہ آپ نے یہاں قیدی کو دیکھا ہے تو وُہ مجھے جان سے مارڈالے گا۔"

"اشقش کی کیا مجال کہ تجھے ہاتھ لگائے؟" شہزادی نے چلّا کر کہا۔ "زیادہ وقت ضائع نہ کر اور دروازہ کھول۔"

حبشی نے قید خانے کا دروازہ کھولا۔ شہزادی اور اُس کی سہیلیاں اندر داخل ہوئیں۔ پتھروں کی بنی ہُوئی اندھیری کوٹھڑی میں ایک حسین اور کم عُمر نوجوان گردن جھُکائے گہری سوچ میں بیٹھا نظر آیا۔ قدموں کی آہٹ سُن کر نوجوان نے سر اُٹھایا۔ دیکھا کہ ایک لڑکی جِس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہے حیران نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس کے دائیں بائیں تین اور لڑکیاں بھی ادب سے کھڑی ہیں۔ شہزادی نے جونہی سعد کا

بھولا بھالا چہرہ دیکھا، دِل سے سارا رنج اور غُصّہ دُور ہو گیا۔ پتھّر کے بُت کی طرح کھڑی اُس کی شکل تکتی رہی۔ اِتنے میں دِل رُبا نے سعد سے کہا۔

"اے قیدی، اُٹھ کر کھڑا ہو اور شہزادی گوہر بند کو سلام کر۔"

سُلطان سعد نے نظریں اُٹھائے بغیر جواب دِیا: "ایک معمولی قیدی اِتنی بڑی شہزادی کو اگر سلام نہ کرے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔"

شہزادی گوہر بند نے کہا "کیا تُو نے میرے بھائی کپتان فرنگی کو مارا تھا؟"

"ہاں۔" سعد نے مُسکرا کر جواب دِیا۔ اُس کے چہرے سے بے خوفی جھلک رہی تھی۔ یہ سُنتے ہی شہزادی نے غضب کے عالم میں کمر سے بندھا ہُوا خنجر کھینچ اور چیخ کر بولی۔ "میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گی۔ تُو میرے بھائی کا قاتل ہے۔"

سُلطان سعد نے گردن جھُکا دی اور کہا۔ "بے شک میں اِسی لائق ہُوں کہ مارا جاؤں۔ اے شہزادی اب دیر کِس بات کی ہے۔ آگے بڑھ اور اپنے بھائی کے قاتل کا سر کاٹ لے۔"

دِل رُبا، ہوش رُبا اور انجمن آرا کے ہوش اُڑے۔ اُنہوں نے شہزادی کے ہاتھ سے خنجر چھینا اور اُسے سمجھانے لگیں کہ "قیدی بے شک اِسی لائق ہے کہ اُس کی گردن اُڑائی جائے مگر اُسے خُداوندِ زرّیں تن کے حکم سے زندہ رکھا گیا ہے۔ اگر آپ نے اِسے مار ڈالا تو خُداوند ناراض ہو گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اشقش بد حواس ہو کر بھاگتا ہُوا قید خانے میں داخل ہُوا۔ حبشی پہرے دار نے اُسے شہزادی کے آنے کی خبر بھجوا دی تھی۔ اشقش آتے ہی شہزادی کے قدموں پر گِرا اور رونے لگا کہ اگر آپ نے قیدی کو مار ڈالا تو مرزُوق زنگی میری کھال کھنچوا دے گا۔ خُداوندِ زرّیں تن کا واسطہ دیتا ہُوں کہ مجھ پر رحم کیجئے اور یہاں سے چلی جایئے۔ اِس قیدی سے کِسی کو مُلاقات کی اِجازت نہیں ہے۔

شہزادی نے اشقش کے سر کو ٹھوکر ماری اور کہا "اے غُلام، گُستاخی مت کر اور پرے ہٹ۔ یہ قیدی اِقرار کرتا ہے کہ اِسی نے میرے بھائی کو مارا ہے۔ میں اِسے ضُرور ہلاک کروں گی۔ مجھے نہ اپنے باپ مرزُوق کی پروا ہے اور نہ

خُداوندِ زرّیں تن کا خُوف۔"

یہ کہہ کر اُس نے پھِر خنجر نِکال لِیا۔ تب اشفق نے چِلاّ کر کہا۔ "اے شہزادی، قیدی جھوٹ بولتا ہے۔ اِس نے کپتان فرنگی کو ہرگز نہیں مارا۔ یہ حرکت اِس کے چچا عَلَم شاہ رُومی کی ہے۔ وہی قصُور وار ہے۔ اگر آپ نے قیدی کو مار ڈالا تو عَلَم شاہ رُومی ہمارے ہاتھ نہ آئے گا۔" اشقش کی یہ بات شہزادی کے دِل کو لگی۔ خنجر دوبارہ کمر میں باندھا اور دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ پھِر قید خانے سے چلی گئی۔ کئی دِن اِسی طرح گُزرے۔ آخر شہزادی ایک روز پھِر قید خانے میں گئی اور حبشی پہرے دار کو خنجر سے ہلاک کر کے سعد کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اِس حادثے کی خبر اشقش کو لگی۔ اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا اور تلوار لے کر اُس باغ میں آیا جِس میں شہزادی گوہر بند رہتی تھی۔ دیکھا کہ سُلطان سعد بھی وہاں موجود ہے اور شہزادی اُس کی خاطِر تواضع میں بچھی جاتی ہے۔

اب تو اشقش کے طیش کی حد نہ رہی۔ تلوار چمکاتا ہُوا بارہ دری کی جانب دوڑا۔

دِل رُبا نے خوف زدہ ہو کر شہزادی سے کہا۔ ”اے شہزادی، اشقش نامُراد تلوار کھینچے آتا ہے۔“

یہ سُنتے ہی شہزادی بد حواس ہو گئی اور بھاگنے کا اِرادہ کیا۔ تب سُلطان سعد نے ہنس کر کہا ”اے شہزادی، تُم اِطمینان سے یہیں بیٹھی رہو اور اُس ظالم کو آنے دو۔ دیکھو میں اُس کی کیا گت بناتا ہُوں۔“

لیکن شہزادی نے سعد کی بات نہ سُنی اور ایک طرف بھاگی۔ اشقش نے دیکھا اور للکار کر کہا ”او بد بخت شہزادی کہاں بھاگی جاتی ہے؟ اِدھر آ نہیں تو وہیں آ کر تجھے قتل کروں گا۔“

سعد اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور اشقش سے کہا۔ ”بُزدِل۔۔۔ اُدھر کہاں جاتا ہے؟ عورت کو کمزور سمجھ کے غُصّہ دِکھاتا ہے۔ تیری کیا مجال جو شہزادی کی طرف نگاہ بھی اُٹھا سکے۔ اِدھر آ۔ مجھ سے آنکھ ملا۔ تب تجھے آٹے دال کا بھاؤ معلُوم ہو۔“

اشقش سُلطان سعد کی طرف لپکا اور تلوار سے حملہ کیا۔ سعد نے قریب ہی پڑا

ہُوا ریشمی تکیہ اُٹھایا اور اُسے ڈھال بنا کر اشقش کے تمام حملے روکے۔ آخر اشقش بُری طرح ہانپنے لگا۔ تب سعد نے پھُرتی سے شمشیر کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر تلوار اشقش کے ہاتھ سے چھین لی۔ پھر اُلٹے ہاتھ کا طمانچہ اُس کے گال پر اِس زور سے مارا کہ پانچوں اُنگلیوں کا نشان اشقش کے گال پر اُبھر آیا اور وُہ مُنہ کے بل گِرا۔ سعد نے اُسی کی تلوار اُس کی گردن پر رکھی اور کہا۔

"بول، اب کیا کہتا ہے؟"

"حضُور، آپ جیتے، میں ہارا۔" اشقش نے گِڑگِڑا کر کہا "میں اپنے قصُور پر شرمندہ ہُوں۔ آیندہ سے آپ کا فرماں بردار ہُوں لیکن مرزُوق فرنگی کو پتا چلے گا تو مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

سُلطان سعد نے اشقش کو دینِ الٰہی میں داخل کیا اور اُسے اطمینان دِلایا کہ کُچھ خوف نہ کر۔ خُدا نے چاہا تو مرزُوق فرنگی بہت جلد ہمارے قدموں میں آن گِرے گا۔

امیر حمزہ مکّے پہنچے تو دیکھا کہ ازہر فرنگی نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اور شہریوں پر آب و دانہ حرام کر رکھا ہے۔ ازہر زنگی نے جب سُنا کہ حمزہ آیا ہے تو مُقابلے کو مُستعد ہُوا۔ لیکن جنگ میں بُری طرح شکست کھا کر کُتّے کی موت مارا گیا۔ امیر حمزہ نے ازہر زنگی کا خزانہ عُمرو عیّار کے حوالے کیا پھِر خواجہ عبدالمطّلب کی قدم بوسی کی اور اپنے سب بھائیوں سے مُلاقات کی۔

امیر حمزہ کے آنے اور دُشمن کو ہلاک کر دینے کی خُوشی میں شہر کے لوگوں نے خُوب جشن منایا اور امیر حمزہ کی سلامتی اور دولت و اِقبال کی دُعائیں مانگیں۔

کُچھ دِن اپنے والد کی خِدمت میں رہ کر امیر واپس اپنے لشکر کی جانب آئے اور ملکہ اطلس پُوش سے ملے، بیٹوں کو گلے لگایا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ دربار میں سب پہلوان اپنی اپنی کُرسیوں پر بیٹھے ہیں مگر عَلَم شاہ اور لِندھور نظر نہیں آتے۔ امیر حمزہ نے قباد شہر باد سے پوچھا

”تمہارے بھائی اور چچا لِندھور کہاں ہیں؟ دِکھائی نہیں دیتے۔“

شہزاد قباد شہریار نے گردن جھکا لی اور کُچھ جواب نہ دِیا۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے، بہرام اور سُلطان بخت مغربی سے پُوچھا۔ اُنہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا امیر حمزہ نے صَدَف نوش اور استفتانوش کی جانب دیکھا تو اُنہوں نے بھی حمزہ سے آنکھ نہ ملائی۔ آخر عادی پہلوان اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اُس کے ہونٹ خُشک تھے اور زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"حمزہ بھائی، بات یہ ہے۔۔۔ بات یہ ہے کہ رُوم سے ایک قاصِد آیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ مرزُوق فرنگی کا بیٹا کپتان فرنگی لشکر لے کر آیا اور اُس نے رُوم کو تباہ کیا، لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا، کاوٗس رُومی کو قتل کیا اور آصف و الیاس کو قید خانے میں ڈال دِیا۔ شہزادہ قباد نے عَلَم شاہ سے کہا کہ آپ بڑی بہادری کا دم بھرتے ہیں۔ جا کر اپنے ماموں کو رہا کرائیے اور اپنے نانا کے خُون کا بدلہ لیجیے۔ عَلَم شاہ کو قباد کی یہ بات ناگوار گُزری اور اُس نے قباد کو ایسا طمانچہ مارا کہ وُہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس کی اِس حرکت سے سب پہلوان بِگڑ گئے۔ لِندھور تو بے حد ناراض ہُوا لیکن اُس نے غُصّہ ضبط کیا اور عَلَم شاہ سے صرف

اتنا کہا کہ بہتر یہی ہے یہاں سے چلا جاورنہ بڑاخُون خرابہ ہو گا۔ چنانچہ عَلَم شاہ اُسی وقت رُوم کی جانب روانہ ہو گیا۔ سُلطان سعد، لہراسپ اور سیّارہ رُومی اُس کے ساتھ گئے ہیں۔ ابھی تک معلُوم نہیں کہ عَلَم شاہ پر کیا بیتی اور وُہ کِس حال میں ہے۔"

عادی پہلوان کی زبانی یہ واقعہ سُن کر امیر حمزہ نہایت برہم ہُوئے۔ غضب ناک ہو کر قباد شہریار کو دیکھا۔ پھر کہنے لگے۔ "اے قباد، تُو بہت مغرور ہو گیا ہے۔ عَلَم شاہ مجھ سے بہادری، شجاعت بے خوفی اور دلیری میں کِسی طرح کم نہیں ہے۔ بلکہ کُچھ بڑھ کر ہی ہے۔ اُس نے کئی مرتبہ میری مدد کی ہے اور مجھے آفتوں سے نِکالا ہے۔ جو کام اُس نے کیا، تُم سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ اگر تُم اپنے دِل میں سمجھتے ہو کہ تُم نوشیرواں کے نواسے ہو تو عَلَم شاہ بھی کاؤس رُومی جیسے بادشاہ کا نواسا ہے۔"

غرض امیر حمزہ قباد شہریار پر خُوب گرجے برسے۔ وُہ چُپ بیٹھا سُنتا رہا اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گِرتے رہے۔ سرداروں اور پہلوانوں پر بھی

لرزہ طاری تھا اور کِسی کو قباد کی سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یکایک پیادہ رُومی عَلَم شاہ کا خط لے کر آیا جِس میں سارا قِصّہ تفصیل سے درج تھا۔ خط کے آخر میں لِکھا تھا:

"میں نے کپتان فرنگی سے مقابلہ کر کے اُسے قتل کِیا۔ اور لشکرِ فرنگ کو مار مار کر بھگایا لیکن افسوس کہ سُلطان سعد کو فرنگی وزیر ریحان نے گرفتار کر لِیا اور بھاگتے وقت اپنے ساتھ فرنگستان لے گیا ہے۔ اب میں سعد کو رہا کرانے اور مرزُوق فرنگی کو سزا دینے ملک فرنگستان پر دھاوا بولتا ہُوں۔ رُوم کی بادشاہت اپنے ماموں آصف شاہ کے سپرد کر دی ہے اور اُنہوں نے شہر کو دوبارہ آباد کر دِیا ہے۔"

امیر حمزہ نے عَلَم شاہ کا خط پڑھا۔ پھر بلند آواز سے سب کو سُنایا اور قباد سے کہا۔ "کیوں تُم نے عَلَم شاہ کا خط سُنا؟ اِسے کہتے ہیں بہادری اور دانش مندی۔"

چند لمحے امیر حمزہ کِسی گہری سوچ میں گُم رہے۔ پھر کہنے لگے۔ "اے عُمرو، لشکر میں منادی کرو کہ تین دِن کی مہلت تیّاری کے واسطے دی جاتی ہے۔ اِس

مُدّت بعد ہم مُلک فرنگستان کی طرف کُوچ کریں گے۔ عَلَم شاہ کی مدد کو پہنچنا ہمارا فرض ہے۔"

جب دربار برخاست ہُوا تو قباد شہریار محل میں آیا اور اپنی سوتیلی ماں ملکہ اطلس پوش سے سب ماجرا کہا۔ اطلس پوش کو بھی افسوس ہُوا۔ قباد کو تسلّی دی مگر اُس کے دِل پر ایسا صدمہ تھا کہ کھانا پینا چھوڑ دِیا اور محل کے ایک گوشے میں مُنہ سر لپیٹ کر پڑ رہا۔ امیر حمزہ نے کئی بار دربار میں بُلایا مگر نہ گیا۔ آخر امیر حمزہ ناراض ہو کر محل میں آئے اور ملکہ اطلس پوش سے کہا۔

"قباد شہریار کہاں ہے؟ دربار میں کیوں نہیں آتا؟"

ملکہ اطلس پوش نے جواب دِیا "آپ نے بھرے دربار میں جو سلوک اُس کے ساتھ کیا ہے، اُس کی وجہ سے وُہ شرمندہ ہے۔ آپ کو یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ سب کے سامنے ایسی باتیں قباد سے کہتے۔"

امیر حمزہ نے اطلس پوش کی یہ بات سُنی تو اُس پر بھی خفا ہُوئے اور کہا۔ "کیا عَلَم شاہ میرا بیٹا نہیں ہے جو قباد نے بھرے دربار میں اُس کو طعنہ دِیا کہ اگر تُم میں

کُچھ غیرت ہے تو اپنے نانا کے خُون کا بدلہ لو اور ماموں کو کپتان فرنگی کی قید سے چھڑُاؤ۔ کوئی بھی اپنے بھائی کو ایسا ذلّت کا کلمہ بھرے دربار میں کہتا ہے؟"

ملکہ اطلس پوش نے دیکھا کہ قباد کی بلا اُس کے سر آئی تو وُہ ڈر کر خاموش ہو رہی۔ ایک کنیز یہ باتیں پردے کے پیچھے سے سُن رہی تھی۔ جب امیر حمزہ محل سے چلے گئے تو اُس کیسز نے تمام باتیں شہزادہ قباد سے کر دیں۔ اُس نے دِل میں کہا، خُدا نے چاہاتو میں چند روز میں یہاں سے نِکل جاؤں گا اور کوئی ایسا کارنامہ دِکھاؤں گا کہ ابّا جان بھی قائل ہُوں۔ دوسرے روز بھی قباد دربار میں نہ آیا اور امیر حمزہ نے بھی نہ بُلایا۔ چوتھے روز امیر کا لشکر عدن سے کُوچ کر کے رُوم کی جانب روانہ ہُوا۔ تمام پہلوان اور عُمرو عیّار سب ساتھ چلے۔ تیزی سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہُوئے پندرھویں روز رُوم میں داخل ہُوئے۔ آصف اور الیاس امیر حمزہ کے آنے کی خبر پا کر فوراً حاضر ہُوئے اور اُن کی زبانی بھی عَلَم شاہ کے کارنامے کی تفصیل معلُوم ہُوئی۔

اِدھر قباد شہریار پر زندگی تنگ ہوئی۔ جب امیر حمزہ کا لشکر رُخصت ہو گیا تو وُہ محل کے خفیہ گوشے سے باہر آیا اور دِل میں کہا اب موقع ہے کہ یہاں سے نِکل جانا چاہیے۔ دوپہر رات گئے پیدل چلتا ہُوا دریا کے کنارے پُہنچا۔ ایک کشتی تلاش کی۔ خُدا پر توکّل کر کے اس کشتی میں بیٹھا اور چپّو چلاتا ہُوا ایک اَن جانی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

مُلکِ فرنگستان میں

شہزادہ قباد شہریار کو اُس کے حال پر چھوڑ کر ہم آپ کو دوبارہ مُلکِ فرنگستان میں لیے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عَلَم شاہ اور لہراسپ پہ کیا بیتی۔ سمینہ بانو نے اُن دونوں کو اپنے باغ میں چھُپا رکھّا تھا اور اُنہیں وہاں کِسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز عَلَم شاہ نے ہرن کے شکار کا اِرادہ کیا۔ لہراسپ بھی ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہُوا۔ آخر دونوں گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور جنگل میں نِکل گئے۔ ناگاہ سامنے سے ایک خُوب صورت اور لمبے سینگوں والا ہرن نمودار ہُوا۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے ہرن پر گھوڑا ڈالا لیکن وُہ چوکڑیاں بھرتا ہُوا کوسوں دُور نِکل گیا۔ دونوں نے ہرن کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ رات سر پر آئی۔ اِس اِثنا میں ہرن غائب ہو گیا اور یہ دونوں واپس چلے مگر راستہ بھُول کر کہیں

سے کہیں جا نکلے۔ آخر تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے رات کاٹی۔ صُبح پِھر گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے۔ راستے میں پھِر وہی ہرن دِکھائی دِیا۔ عَلَم شاہ نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ ہرن قابو میں نہ آیا۔ سارا دِن پھر اسی تگ و دو میں نِکل گیا۔ شام کے وقت جب جنگل میں ایک مُسافر آتا نظر آیا۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا تُو کہاں سے آتا ہے؟ اُس نے جواب دِیا یہ سامنے شہر ہے وہیں سے آتا ہُوں۔ اِتنی بات کہہ کر مُسافر چلا گیا۔ عَلَم شاہ نے لہراسپ سے کہا، چلو اُس شہر میں کوئی سرائے تلاش کریں اور رات وہاں کاٹیں۔ لہراسپ نے کُچھ سوچتے ہُوئے کہا:

"اے رُستم، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اِس شہر میں جائیں اور کِسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہُوں۔"

عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "آفتوں سے ڈرنا کیسا؟ جو ہُوا دیکھا جائے گا۔"

یہ سُن کر لہراسپ خاموش ہو رہا۔ دونوں شہر میں آئے، دیکھا کہ نہایت گھنی آبادی ہے۔ بازاروں میں خریداروں کا ہجوم ہے۔ ہر شے بِک رہی ہے۔ یہ

سرائے کی تلاش میں چلے جاتے تھے کہ حمّام مِلا۔ حمّامی نے اِن جوانوں کو دیکھا اور سمجھا کہ مُسافر ہیں۔ دُور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ چہروں پر تھکن کے آثار ہیں اور لباس گرد میں اٹے ہُوئے ہیں۔ آئینہ لے کر سامنے آیا اور کہنے لگا:

"حضُور، آیئے۔ حمّام میں نہایئے۔ سفر کی سب تھکن دُور ہو جائے گی۔"

عَلَم شاہ حمّام دیکھ کر خُوش ہُوا۔ لہراسپ بھی گھوڑے سے اُترا۔ حمّامی نے اُن کے گھوڑے ایک طرف باندھے اور دونوں کو الگ الگ حمّاموں میں داخل کیا۔ عَلَم شاہ جب حمّام کے نزدیک پُہنچا تو دیکھا کہ اُس کی تصویر دروازے پر لگی ہے۔ دِل میں نہایت حیران ہُوا کہ یہ تصور کِس نے بنائی اور حمّام کے دروازے پر کیوں لگائی۔ حمّامی بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے تاڑ لِیا کہ یہ مُسافر اِس تصویر کو دیکھ کر گُم سُم ہے۔ اب جو اُس نے عَلَم شاہ کی شکل غور سے دیکھی تو اُس تصویر میں اور عَلَم شاہ کے چہرے میں بال برابر کا فرق نہ پایا۔ اُس کے برابر میں حجّام کی دُکان تھی۔ فوراً اُس کے پاس گیا اور کہا:

"جلدی سے فولاد زنگی کوتوال کو جا کر اِطّلاع دے کہ وہی شخص آیا ہے جِس نے کپتان فرنگی کو مارا تھا۔ اگر ہم اِس شخص کو گرفتار کروادیں تو بادشاہ مالا مال کر دے گا۔"

حجّام نے اپنا کام دھندا چھوڑا اور فولاد زنگی کو خبر دینے دوڑا۔ فولاد نے اُسی وقت پیادے روانہ کیے کہ جا کر اُس نوجوان کو پکڑ لاؤ۔ پھر خُود بھی پیچھے پیچھے آیا۔ جب فولاد کے سپاہی حمّام کے نزدیک آئے اور حمّامی نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو عَلَم شاہ سے کہا:

"اِس شہر کا کوتوال گشت پر نِکلا ہے۔ اِدھر ہی آتا ہے شاید نہانے کا اِرادہ ہے۔" عَلَم شاہ اور لہراسپ اِس دوران میں نہا دھو کر فارغ ہو چُکے تھے اور اب کپڑے پہن رہے تھے۔ جُوں ہی وُہ اپنے ہتھیار وغیرہ لگا کر حمّام سے باہر آئے، فولاد زنگی کے پیادوں سے سامنا ہُوا۔ اُنہوں نے دونوں کو گھیر لِیا اور کہا:

"چلو ہمارے ساتھ۔ تمہیں کوتوال بُلاتا ہے۔"

عَلَم شاہ نے ایک پیادے کے تھپڑ رسید کیا اور کہا "کیا بکتا ہے۔ میرے سامنے سے دُور ہو۔ کیا میں کوتوال کا نوکر ہُوں کہ اُس کے بُلانے پر حاضر ہو جاؤں۔"

پیادوں نے تلواریں نِکال لیں اور کہا "ہم نے تجھے پہچان لِیا ہے۔ تُو نے کپتان رُومی کو مارا تھا۔ اب تیری موت نے تجھے یہاں بھیجا ہے۔"

تب لہراسپ نے عَلَم شاہ کی طرف دِیکھا اور کہا۔ "لیجیے پہلی آفت آئی۔ اب اِس سے نپٹیے۔"

عَلَم شاہ نے تلوار نِکال کر لڑنا شُروع کیا۔ ستّر پیادے ہلاک کیے۔ تقریباً اتنے ہی آدمیوں کو لہراسپ نے مارا۔ شہر میں غُل مچ گیا اور ایسی بھگدڑ مچی کہ آناً فاناً بازار خالی اور گلی کُوچے ویران ہو گئے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے اور دروازے بند کر لِیے۔

اِتنے میں فولاد زنگی بھی آن پُہنچا۔ دیکھا کہ پیادوں کی لاشیں بازار میں بکھری پڑی ہیں۔ وُہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور شہر کے حاکم ضمیران شاہ کو

سب حالات کی خبر دی۔ ضمیران شاہ کے دِل پر عَلَم شاہ اور لہراسپ کی ہیبت طاری ہوئی مگر سنبھل کر بولا۔ "اے فولاد زنگی، جِس طرح بھی مُمکن ہو، اِن دونوں آدمیوں کو ہمارے پاس لے آ۔"

فولاد زنگی بے چارہ کیا کرتا۔ جنگ کرتا تو جان کا خطرہ تھا۔ آخر ہاتھ باندھ کر عَلَم شاہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔ "حضُور، ہمارے حاکم ضمیران شاہ نے آپ کو یاد کیا ہے اگر مناسب سمجھیں تو تشریف لے چلیں۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر کہا۔ "اچھا، ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔"

یہ کہہ کر دونوں گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور فولاد زنگی آگے آگے چلا۔ اِس طرح ضمیران شاہ کے دربار میں آئے۔ دیکھا کہ بڑا عالی شان دربار ہے۔ بیش قیمت قالین بچھے ہیں اور اُونچی چھت پر سونے چاندی کے جھاڑ فانوس لٹکے ہُوئے ہیں۔ جا بجا حبشی غُلام پہرا دے رہے ہیں۔ ضمیران شاہ کے دائیں بائیں چار سو گِراں ڈیل پہلوانوں کی کُرسیاں ہیں۔

عَلَم شاہ بے خوفی سے دربار میں آیا اور ضمیران شاہ کو سلام کیے بغیر کہا۔ "کیا

بات ہے؟ ہمیں کیوں بُلوایا ہے؟ ہم کوئی چور اُچکّے یا ڈاکو تو نہیں جو اِتنے آدمیوں کو ہماری گرفتاری کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

ضمیران شاہ کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ للکار کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ پکڑو اِن دونوں کو۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے تلواریں کھینچیں اور بھوکے شیروں کی طرح دُشمن پر ٹوٹ پڑے۔ آناً فاناً دربار میں خُون کی ندّی بہہ نکلی۔ سینکڑوں آدمی کاٹ کر ڈال دیے۔ اب عَلَم شاہ اور لہراسپ کے سامنے کِسی کو آنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا سب دُور کھڑے چِلاّ رہے تھے اور ضمیران شاہ کی یہ کیفیّت تھی کہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بھاگنے کی کوئی راہ نہیں سوجھتی تھی۔ عَلَم شاہ قدم بڑھا کر تخت کے قریب پُہنچا اور ضمیران شاہ پر حملہ کیا۔ اُس نے دیکھا کہ اب جان بچنے کی کوئی صُورت دِکھائی نہیں دیتی تو جھٹ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"میں امان طلب کرتا ہُوں اور غلامی کا حلقہ گردن میں ڈالتا ہُوں۔"

تب عَلَم شاہ نے اُسے امان دی۔ ضمیران شاہ ظاہر میں دینِ ابراہیمی پر ایمان

بھی لے آیا مگر اندر ہی اندر عَلَم شاہ اور لہراسپ سے بدلہ لینے کی فکر میں تھا۔ کئی روز کے بعد اُس نے اُن دونوں کی اپنے محل میں دعوت کی اور کھانے میں دوائے بے ہوشی مِلا دی۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہُوئے۔ ضمیران شاہ نے اُسی وقت لوہاروں کو بُلا کر حکم دِیا کہ اِن دونوں کے ہاتھوں اور پیروں میں فولادی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر قید خانے میں پھینک دو۔

دو روز تک بے ہوش پڑے رہنے کے بعد عَلَم شاہ اور لہراسپ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اِس حال میں پایا۔ سمجھ گئے کہ ضمیران شاہ نے مکّاری سے کام لِیا ہے۔ تیسرے روز اُنہیں قید خانے سے نِکال کر ضمیران شاہ کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور کہا:

"اب بولو، کیا سلوک تمہارے ساتھ کروں؟"

دونوں نے کُچھ جواب نہ دِیا۔ تب ضمیران شاہ نے حکم دِیا کہ اِن کو ابھی قتل کرو۔ حکم پاتے ہی حبشی جلّاد، شیر کی کھال کندھے پر ڈالے اور دو من وزنی

کلہاڑا لیے آیا۔ پہلے ریت کا ایک چبوترا بنایا گیا جس پر اِن دونوں کو بٹھایا گیا۔ پھِر اِن کی گردنوں پر کالی روشنائی سے نشان لگائے تا کہ کلہاڑا اُسی جگہ پڑے۔ اِس کام سے فارغ ہو کر جلّاد نے عَلَم شاہ اور لہراسپ سے کہا:

"مرنے سے پہلے اپنی آخری خواہش بتاؤ۔ اگر ہمارے امکان میں ہو گا تو پوری کریں گے۔ تمہاری موت کا ایک حکم ہو چُکا ہے۔ ابھی دو حکم باقی ہیں؟"

عَلَم شاہ نے ہنس کر جواب دِیا۔ "اے جلّاد، تُو اپنا فرض ادا کر۔ ہماری نہ کوئی خواہش ہے نہ حاجت۔ اگر پروردگار کو زندگی منظور ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی اور اگر ہمارا وقت پُورا ہو چُکا ہے تو آخری خواہش یہی ہے کہ پروردگار ہم سے خُوش ہو۔"

ضمیران شاہ یہ گُفتگو سُن رہا تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا۔ "بس تو پھر سمجھ لو کہ تمہارا وقت پورا ہو ہی گیا ہے۔ خُداوندِ زرّیں تن کی شان میں تُم نے گُستاخیاں کی ہیں اور اُن گُستاخیوں کی سزا موت ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے جلّاد کو اِشارہ کیا کہ اِن کی گردنیں تَن سے جُدا کر دے کہ

اچانک ایک مُصاحِب اُٹھ کر ضمیر ان شاہ کے پاس آیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"جہاں پناہ، ایک عرض میری بھی سُن لیجیے۔ آپ خُود مختار حاکم نہیں ہیں۔ یہ شہر مرزُوق فرنگی کی سلطنت میں شامِل ہے اور آپ کو مرزُوق نے یہاں کا انتظام سونپا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اِن قیدیوں کے قتل سے مرزُوق فرنگی ناراض ہو۔ عین مُمکن ہے وُہ کِسی مصلحت سے اِنہیں زندہ رکھنا زیادہ پسند کرتا ہو۔ اس لِیے اپنے فیصلے پر پِھر غور فرمالیجیے۔"

مُصاحِب کی یہ بات ضمیر ان شاہ کے دِل میں اُتر گئی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔ "بے شک تیرا مشورہ صحیح ہے۔ تاہم مرزُوق فرنگی کو اِن کی گرفتاری کی اِطّلاع دینی ضروری ہے۔"

"جہاں پناہ، اِس ناچیز غُلام کی رائے میں آپ خُود اِن قیدیوں سمیت مرزُوق فرنگی کے پاس تشریف لے جائیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" دُوسرے مُصاحِب نے کہا۔

ضمیر ان شاہ کو یہ رائے بھی پسند آئی۔ اُسی وقت سفر کی تیّاری کی اور قیدیوں کو

ساتھ لے مرزُوق فرنگی کے دربار میں حاضری دی۔ وہاں کُچھ اور ہی گُل کِھلا ہُوا تھا۔ معلُوم ہُوا کہ سپہ سالار آلا گرد کی بیٹی سمینہ بانو دینِ ابراہیمی پر ایمان لے آئی ہے اور قلعے کے حاکم اشعر کو بھی اُس نے اپنے ساتھ مِلا لیا ہے۔ اِس کے علاوہ زلزال نامی پہلوان بھی دو لاکھ سواروں سمیت سمینہ بانو کے پاس چلا گیا ہے اور وُہ مرزُوق کا باغی ہے۔

مرزُوق فرنگی نے یہ تمام واقعات ضمیران شاہ کو سُنائے اور آخر میں کہا۔ ”اب میں چاہتا ہُوں کہ کوئی شخص جائے اور کِسی طرح سمینہ بانو کو پکڑ لائے اور اُس قلعے پر بھی قبضہ کرے۔“

فولاد زنگی بھی ضمیران شاہ کے ساتھ آیا تھا اور دربار میں حاضر تھا۔ وُہ اُٹھ کر کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔ ”حضُورِ والا، اگر اِجازت ہو تو یہ غُلام جائے اور سمینہ بانو کو گرفتار کرے؟“

مرزُوق فرنگی نے حیرت سے فولاد کو دیکھا اور مُسکرا کر کہا۔ ”تُم کیا کرو گے؟ زلزال پہلوان کے پاس دو لاکھ سواروں کی طاقت ہے۔ اُس سے لڑ بھِڑ کر

قلعہ لے لینا بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"حضور میں ایک اور ہی تدبیر کروں گا۔" فولاد نے کہا۔ "میرے پاس عَلَم شاہ رُومی کی خاص انگوٹھی ہے جو میں نے بے ہوشی کے دوران میں اُس کی اُنگلی سے اُتار لی تھی۔ میں سوداگر کا بھیس بدل کر سمینہ بانو کے قلعے میں جاؤں گا اور اپنے صندوقوں میں دو دو سپاہیوں کو بند کر دُوں گا۔ قلعے دار سے کہوں گا کہ میں عَلَم شاہ کا آدمی ہُوں اور یہ مال اُسی نے بھیجا ہے۔ جب وُہ نشانی مانگیں گے تو عَلَم شاہ کی انگوٹھی دِکھا دُوں گا۔ اِس ترکیب سے قلعے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے گا۔ پھر سمینہ بانو پر قابُو پانا کُچھ مُشکل نہ ہو گا۔"

مرزُوق فرنگی یہ تدبیر سُن کر پھڑک گیا اور فولاد فرنگی کو قلعۂ آہن حِصار کی جانب جانے کی اِجازت دے دی۔ جب فولاد زنگی اپنے سامان کے ساتھ قلعے کے نزدیک پہنچا تو اشعر کوتوال کو خبر ہُوئی۔ وُہ فصیل پر گیا اور پُوچھا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ فولاد زنگی نے کہا کہ عَلَم شاہ رُومی نے مجھے بھیجا ہے۔ میرے پاس اُس کی انگوٹھی موجود ہے جو سمینہ بانو کو دِکھاؤں گا۔ تُو قلعہ کا

دروازہ کھول تاکہ میں اندر جاؤں۔

اشعر نے اُسی وقت سمینہ بانو کو اِطّلاع دی۔ وُہ عَلَم شاہ اور لہراسپ کی گمشدگی سے سخت پریشان تھی۔ جونہی اُسے معلُوم ہُوا کہ ایک تاجر عَلَم شاہ کا بھیجا ہُوا آیا ہے تو خُوشی سے پھُولی نہ سمائی۔ اشعر سے کہنے لگی کہ اُس تاجر کو قلعے کے اندر آنے دو۔ تب اشہر سوچ میں پڑ گیا۔ سمینہ بانو نے حیرت سے کہا:

"اے اشعر، تو کِس سوچ میں گُم ہے؟"

اشعر نے جواب دِیا۔ "مجھے اِس تاجر پر کُچھ شک ہے وُہ عَلَم شاہ کا آدمی نہیں معلُوم ہوتا۔ ذرا سوچو تو اگر عَلَم شاہ کو انگوٹھی دینی ہی تھی تو وُہ لہراسپ کے ہاتھ کیوں نہ بھجواتا؟"

"یہ بھی تو مُمکن ہے کہ عَلَم شاہ نے لہراسپ کو کہیں اور بھیجا ہو۔" سمینہ بانو نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی مُمکن ہے۔" اشعر نے کہا۔

آخر سوچ سوچ کر یہ تدبیر نکالی کہ تاجر کا سامان تو قلعے کے اندر آنے دِیا جائے

مگر خُود تاجر کو اندر داخل ہونے کی اِجازت نہ ہو۔ چنانچہ اشعر نے یہی بات فولاد زنگی سے کہی کہ مال بھیج دو لیکن تُم قلعہ میں نہیں آ سکتے۔ ہاں جب عَلَم شاہ یہاں آیا تو تُم بھی آ جانا۔

اشعر کی یہ بات سُن کر فولاد زنگی دِل میں بے حد بھنّایا مگر ظاہر طور پر ہنس کر کہنے لگا۔ "معلُوم ہوتا ہے مجھ پر آپ کو کوئی شک ہے۔ خیر، میں زیادہ اِصرار نہیں کرتا۔ آپ یہ صندوق ہی منگوا لیجیے۔ میرا قلعے میں آنا کُچھ ضروری بھی نہیں ہے۔"

غرض تمام صندوق ایک ایک کر کے قلعے میں پُہنچ گئے۔ اُن میں سے ہر صندوق کے اندر دو دو سپاہی چھُپے ہُوئے تھے اور اُن کو صِرف اندر ہی سے کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔ اشعر نے سب صندوق محل کے ایک کمرے میں رکھوا دیے۔ آدھی رات ہوئی تو یہ صندوق کھُلے، اور ہتھیار بند سپاہی باہر آ گئے۔ اُنھوں نے قلعے کے محافظوں کو فوراً قتل کر دِیا اور بڑا دروازہ کھول دِیا۔ فولاد زنگی پہلے سے مُنتظر تھا۔ فوراً لشکرِ جرّار لے کر قلعے میں گھُس آیا اور خُوب

تباہی مچائی۔

اشعر نے تھوڑی دیر تک مُقابلہ کیا۔ مگر زخمی ہو کر گرفتار ہُوا۔ فولاد زنگی نے محل میں داخل ہو کر سمینہ بانو کو بھی گرفتار کیا اور اُسی لمحے ایک سوار کو مرزُوق فرنگی کے پاس روانہ کیا تاکہ فتح کی خبر سُنائے۔

قلعۂ آہن حِصار پر قبضہ جمانے کے بعد فولاد زنگی نے قلعۂ قُلّاب کا رُخ کیا۔ اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ اشقش سچّے دِل سے دینِ ابراہیمی پر ایمان لا کر سُلطان سعد کا فرماں بردار بن چُکا ہے۔ قلعۂ قُلّاب کے نزدیک پُہنچ کر فولاد زنگی نے اشقش کو پیغام دِیا کہ عَلَم شاہ اور لہراسپ شہر ریحانیہ میں گرفتار کیے جا چُکے ہیں اور اِس وقت ضمیران شاہ اُنہیں لے کر مرزُوق فرنگی کے پاس پُہنچ چُکا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ تو بھی سُلطان سعد کو لے کر مرزُوق کے دربار میں حاضر ہو تاکہ اِن قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دِیا جائے۔

اشقش نے یہ پیغام فوراً سعد تک پہنچایا کہ جلد کُچھ انتظام کیجیے ورنہ فولاد زنگی قلعے میں گُھس آئے گا۔ آپ کے چچا عَلَم شاہ اور لہراسپ پکڑے جا چُکے ہیں

اور فولاد نے قلعۂ آہن حِصار سے سمینہ بانو اور اشعر کوتوال کو بھی گرفتار کیا ہے۔ سُلطان سعد یہ سُن کر طیش میں آیا، اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"میں ابھی جاتا ہُوں اور سمینہ بانو کو قید سے چھُڑاتا ہُوں۔ فولاد کی کیا مجال کہ اُسے کوئی نقصان پہنچائے۔"

اشقش نے سعد کو روکا اور کہا۔ "موقع محل دیکھ کر کام کیجیے۔ میں کِسی بہانے سے فولاد کو ٹالے دیتا ہُوں کہ سعد کو صُبح پیش کروں گا۔ آپ آدھی رات کے وقت دس ہزار سواروں کے ساتھ فولاد پر ہلّا بول دیجیے۔ اس کی فوج خوابِ خرگوش میں ہو گی۔ کھیرے ککڑی کی طرح کٹ جائے گی۔"

سعد کو یہ تدبیر پسند آئی۔ اشقش نے فولاد زنگی سے کہلوایا کہ آپ دُور سے آئے ہیں۔ تھکے ہُوئے ہُوں گے اِس لِیے رات کی رات آرام فرمائیے۔ صُبح سویرے ہی قیدی کو خِدمت میں حاضر کر دُوں گا۔ فولاد مطمئن ہو گیا۔ آدھی رات کے وقت سعد اپنی فوج لے کر قلعے سے باہر آیا۔ اور اُس کے سپاہی

بھُوکے چیتوں کی طرح فولاد کے آدمیوں پر ٹُوٹ پڑے اور ہزار ہا آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دِیا۔ اِس ہنگامے میں فولاد زنگی کی آنکھ کھُلی۔ اپنے خیمے سے باہر نِکلا اور ایک سپاہی سے پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اُس نے جواب دِیا کہ ایک نقاب پوش نے شب خُون مارا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے۔

یہ سُنتے ہی فولاد زنگی کا خُون پانی ہُوا۔ اُسی وقت ہتھیار بدن پر سجائے اور سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ اِتنے میں سُلطان سعد نے نعرہ لگایا فولاد نے یہ نعرہ سُنا اور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا سعد کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ ایک نو عُمر لڑکا چہرے پر نقاب ڈالے پھُرتی سے تلوار چلا رہا ہے۔ فولاد کی نظروں کے سامنے اُس لڑکے نے دس آدمی قتل کر ڈالے۔

فولاد نے للکار کر کہا۔ ”او لڑکے، معلُوم ہوتا ہے تیری موت نے تجھے یہاں بھیجا ہے۔ ہوشیار ہو۔“

یہ کہہ کر فولاد نے پوری قُوّت سے سعد پر حملہ کیا۔ سعد نے گینڈے کی کھال

سے بنی ہُوئی ڈھال پر یہ حملہ روکا اور جواب میں تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ فولاد زنگی گھوڑے سمیت چار ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ فولاد کے مرتے ہی اُس کے سپاہیوں کے دِل چھُوٹ گئے اور اُنہوں نے ہتھیار پھینک دیے۔

سعد نے اشعر کوتوال اور اُس کے ملازموں کو آزاد کرایا۔ وُہ سعد کے قدموں سے لپٹ کر کہنے لگا کہ اے شہزادے آفرین ہے تجھ پر۔ کیا کام دِکھایا ہے۔

سعد نے اشعر سے کہا۔ ”میری جانب سے سمینہ بانو کی خِدمت میں سلام عرض کرو اور کہو کہ میرے لائق کوئی خِدمت ہو تو فوراً بتایئے۔ آپ میری چچی ہیں۔“

اُدھر سمینہ بانو بے چاری ایک الگ قید خانے میں پڑی رو رہی تھی۔ اُسے معلُوم نہ تھا کہ فولاد زنگی ہلاک ہو گیا ہے۔ اِتنے میں اشعر کوتوال نے وہاں پُہنچ کر اُسے سلام کیا اور ہتھکڑیاں بیڑیاں کھولیں۔ پھر کہا کہ عَلَم شاہ کے بھتیجے سُلطان سعد نے فولاد زندگی کو جہنّم رسید کیا ہے اور آپ کو بہُت بہُت سلام کہلوایا ہے۔

سمینہ یہ سُن کر بہُت خُوش ہوئی اور کہنے لگی۔ ”سعد سے کہو کہ تُم میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟“

اشعر نے یہ پیغام سعد کو دِیا۔ وُہ سمینہ بانو کے سامنے آیا اور جھک کر ادب سے سلام کیا۔ سمینہ نے دُعائیں دیں اور بلائیں لیں۔ پھِر سعد نے اشعر اور اشقش کے ساتھ سمینہ بانو کو قلعۂ قُلاب کی جانب روانہ کیا اور کہہ دِیا کہ آپ شہزادی گوہر بند کے پاس رہیں۔ میں اب چچا عَلَم شاہ کو چھُڑانے جاتا ہُوں۔

دُوسرے دِن اشقش آدھے راستے سے لوٹ آیا اور اشعر اکیلا سمینہ بانو کو قلعۂ قُلاب کی طرف لے گیا۔ سعد نے حیران ہو کر کہا۔ ”اے اشقش تُو کیوں واپس آیا؟ ہم نے تو تجھے سمینہ بانو کے ساتھ روانہ کیا تھا؟“

تب اشقش نے سعد کے ہاتھوں کو بوسہ دِیا اور آنکھوں میں آنسو لا کر بولا۔ ”اے شہزادے، میں چلا تو گیا مگر راستے بھر آپ کا خیال آتا رہا۔ اِس لِیے واپس چلا آیا۔ میں آپ کے قدموں سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ اشعر کوتوال نہایت ہوشیار اور بہادُر آدمی ہے۔ وُہ بخیر و عافیت سمینہ بانو کو قلعۂ قُلاب تک

پُہنچا دے گا۔"

سعد یہ بات سُن کر خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔ "اے اشقش، میں تیری اِس محبّت کو دیکھ کر بُہت خُوش ہُوا ہُوں۔ رفیق ایسے ہی ہُوا کرتے ہیں۔ اب میں چچا عَلَم شاہ کو مرزُوق فرنگی کی قید سے رہا کرانے جاتا ہُوں۔ تیرا مشورہ کیا ہے؟"

اشقش گہری سوچ میں گُم ہُوا۔ پھر رُک رُک کر کہنے لگا۔ "اے شہزادے، مجھے ایک بات کا کھٹکا ہے جِس سے گھبراتا ہُوں۔ عَلَم شاہ کو مرزُوق اور ضمیران شاہ کی قید سے آزاد کرانا اِتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ سمجھے ہُوئے ہیں۔ اُن کے پاس لاکھوں سپاہی ہیں اور چپّے چپّے پر حفاظت کا انتظام ہے۔ اِس کی بہترین صُورت یہ ہے کہ آپ قیدی بن کر میرے ساتھ چلیں۔ میرا حال ابھی تک مرزُوق فرنگی اور ضمیران شاہ کو معلُوم نہیں ہے۔ اُنہوں نے فولاد زنگی کے ذریعے مجھے بھی طلب کیا تھا کہ آپ کو لے کر اُن کے پاس پہنچوں۔ جب آپ وہاں پہنچیں گے تو چند روز کے لِیے آپ کو قید خانے میں عَلَم شاہ اور لہراسپ کے پاس رکھیں گے۔ اِس طرح اُن سے مُلاقات ہو جائے گی، اور پھر

اچانک حملہ کر کے آزاد ہو جانا کُچھ مُشکل نہ ہو گا۔"

سُلطان سعد نے غور سے اشقش کی باتیں سُنیں۔ پھِر گردن ہلا کر کہا۔ "یہ ہرگز نہ ہو گا کہ میں قیدی بن کر مرزُوق فرنگی کے سامنے جاؤں۔ میں بزورِ شمشیر عَلَم شاہ کو آزاد کراؤں گا۔ اگر مرزُوق کے پاس لاکھوں سپاہی ہیں تو ہُوا کریں۔ انشاء اللہ وُہ میرا کُچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

اشقش نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ "اے شہزادے، بے شک آپ بہادر اور جرّی ہیں مگر یاد رہے کہ سپہ گری کے چھتّیس فن ہیں۔ جیسا موقع دیکھے، ویسا کرے۔ اگر مرزُوق کے سپاہیوں نے آگے بڑھ کر آپ کو روکا اور اِس اِثنا میں اُنہوں نے عَلَم شاہ اور لہراسپ کو مار ڈالا تو پھر کیا ہو گا۔ میں نے مانا کہ آپ مرزُوق اور ضمیران شاہ کو بھی ہلاک کر دیں گے لیکن عَلَم شاہ کو جیتا نہ پائیں گے۔"

سُلطان سعد کو اشقش کی باتوں میں وزن محسوس ہُوا۔ چند لمحے غور کرنے کے بعد اشقش سے کہا۔ "تمہارا مشورہ مناسب ہے۔ ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

چنانچہ وُہ دونوں دِن رات منزلیں طے کرتے ہُوئے شہر کے نزدیک پہنچے ۔ اِس دوران میں اشقش نے سعد کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیر ڈال کر قیدی بنا دِیا تھا۔ شہر سے باہر ضمیران شاہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ پڑاوٗ ڈالے ہُوئے تھا۔ یکایک کُچھ لوگ فولاد زنگی کی لاش کے ٹکڑے لے کر وہاں آئے اور خبر دی کہ ایک پراسرار نقاب دار نے فولاد کے لشکر پر شب خُون مارا اور ہزار سپاہیوں کو قتل کر کے فولاد کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دِیا۔ یہ اُس کی لاش ہے۔

ضمیران شاہ پر خوف طاری ہُوا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو تکنے لگا۔ اِتنے میں خبر آئی کہ اشقش سُلطان سعد کو لیے آتا ہے۔ ضمیران شاہ نے فوراً پیغام بھجوایا کہ قیدی کو جلد ہماری خِدمت میں حاضر کرو۔

شام کے وقت جب کہ ضمیران شاہ اپنے خیمے کے باہر ٹہل رہا تھا، اشقش قیدی کو لے آیا۔ سعد نے اللہ اکبر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ضمیران شاہ سخت ناراض ہُوا اور کہنے لگا یہ کیا کہتا ہے؟ اشقش نے جواب دیا۔

"جہاں پناہ، یہ جب سے قید ہُوا ہے، ہر وقت اپنے خُداوند کا نام لِیا کرتا ہے۔"

"اے اشقش، تو نے بھی اِسے کُچھ نہ سمجھایا؟" ضمیران شاہ نے کہا۔

"حضُور، میری کیا مجال جو اِسے کُچھ سمجھاؤں۔ اِس نے مرزُوق فرنگی کے سامنے بھی یہی نعرہ لگایا اور خُداوندِ زرّیں تن کو بھی بُرا بھلا کہا۔"

"اچھّا؟ کیا یہ ہمارے خُداوند سے بھی نہیں ڈرتا؟" ضمیران شاہ نے پُوچھا۔

"جناب ڈرنا تو ایک طرف، یہ اُس پر لعنت بھیجتا ہے۔"

ضمیران شاہ نے غُصّے تھر تھر کانپنے لگا۔ پھِر اشقش سے کہا۔ "اچھّا ہُوا تُم اِسے لے کر آج ہی یہاں آ گئے۔ ہم فیصلہ کر چُکے ہیں کہ کل سُورج نکلنے سے پہلے ہی عَلَم شاہ اور لہراسپ دونوں کو ٹھکانے لگا دِیا جائے۔ اب یہ قیدی بھی اُن کے ساتھ ہی مارا جائے گا۔ فی الحال اِسے لے جا کر اُسی قید خانے میں رکھو جہاں دونوں قیدی پہلے سے موجود ہیں۔"

اشقش سعد کو اُس خیمے میں لے گیا جِس میں عَلَم شاہ اور لہراسپ قید تھے۔ اشقش اور سعد کو دیکھ کر دونوں قیدی خُوشی سے اُچھل پڑے۔ سعد نے سب

واقعہ سُنایا۔ پھر اشقش نے سعد کی زنجیریں کھول دیں اور چلا گیا۔

صُبح کے وقت قید خانے کا داروغہ خیمے میں آیا تاکہ قیدیوں کو قتل گاہ میں لے جائے۔ اُس بدنصیب کو کیا معلُوم تھا کہ سعد کی زنجیری کھُلی ہُوئی ہیں۔ جونہی وُہ خیمے میں داخل ہُوا، سعد نے اُچھل کر اُس کی گردن ناپی اور اِس زور سے ٹینٹوا دبایا کہ اُس کا دم نِکل گیا۔

داروغہ کا کام تمام کرکے سعد نے اُس کی جیب سے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے تالوں کی چابیاں نِکالیں اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دِیا۔ پھِر خیمے سے باہر آکر چند سپاہیوں کو مارا اور اُن کے ہتھیار چھین لِیے۔

اِن قیدیوں کے آزاد ہونے کی خبر ضمیران شاہ تک پہنچی تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ جلدی سے اپنے بیٹے سُہراب کو بھیجا کہ کُچھ بندوبست کرے۔ سُہراب غیظ و غضب کی تصویر بن کر آیا اور عَلَم شاہ سے للکار کر کہا:

”اے قیدی، تیری اِتنی جرأت کہ یوں نِکل جائے۔ دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہُوں۔“

یہ کہہ کر تلوار سے عَلَم شاہ پر حملہ کیا۔ عَلَم شاہ کے جوش کا اُس وقت کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ایک سُہراب کیا، ہزار آجائے تب بھی اُس کا کُچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔

عَلَم شاہ نے ڈھال پر وار روکا پھِر آگے بڑھ کر سُہراب کی گردن پکڑ لی اور یُوں اُوپر اُٹھایا جیسے عقاب ہرن کے بچّے کو اپنے پنجوں میں دبا لیتا ہے اور اِس سے پہلے کہ سُہراب سمجھ سکے، عَلَم شاہ نے اِس زور سے اُس کو فضا میں پھینکا کہ تنکے کی طرح اُڑتا ہُوا آسمان کی جانب گیا۔ جب واپس زمین پر آیا تو عَلَم شاہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ سُہراب دو ٹکڑے ہو کر گِرا۔

جاسوسوں نے سُہراب کے مارے جانے کی خبر ضمیران شاہ کو دی۔ بیٹے کی موت سے اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ سوچے سمجھے بغیر میدانِ جنگ میں کُود پڑا اور عَلَم شاہ کے نزدیک آن کر بولا:

”او رُومی، یہ تو نے کیا غضب کیا کہ میرے جواں عُمر بیٹے کو مار ڈالا؟ اب تُو میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔“

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر جواب دِیا۔ ”اے بدبخت، تُو خُود اپنی موت سے بچنے کی

کوشِش کر۔"

یہ کہہ کر اُس نے ضمیران شاہ کو کھینچ کر گھوڑے سے اُتارا اور سر سے اُونچا اُٹھا کر کئی چکّر دِیے۔ ضمیران شاہ کے حلق سے خُون کا فوّارہ جاری ہُوا۔ سمجھا کہ واقعی موت آئی۔ گھبرا کر امان امان پُکارنے لگا۔ عَلَم شاہ نے اُسے زمین پر آہستہ سے پٹخ دِیا۔ پھِر کہنے لگا:

"تو ایک بار پہلے بھی ایمان لا کر دغا کر چُکا ہے اور اب پھر امان امان پُکارتا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تجھے زندہ چھوڑوں مگر یہ ہمارا قاعدہ ہے کہ جو امان طلب کرے اُسے امان دیں۔"

ضمیران شاہ نے عَلَم شاہ کے قدم تھام لِیے اور رو کر کہا۔ "اب ایسی خطا نہ ہو گی۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اِقبال آپ کا مقدر ہے۔ آپ پر کوئی شخص فتح نہیں پا سکتا اور آپ کا دِین بھی برحق ہے۔ اگر خدائے زرّیں تن سچّا ہوتا تو میرے بیٹے سُہراب کو زندہ کر دیتا۔"

غرض اِس مرتبہ ضمیران شاہ سچّے دِل سے کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں

داخل ہُوا۔ کہتے ہیں کہ اُس روز ضمیران شاہ اپنے دو لاکھ سواروں کے ساتھ ایمان لایا تھا۔ اگلے دِن اُس نے عَلَم شاہ، لہراسپ، سعد اور اشقش کی دعوت کا انتظام کیا۔ جب سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہُوئے تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ عَلَم شاہ نے کہا:

"اب میرا اِرادہ ہے کہ مرزُوق فرنگی کو جہنّم رسید کروں۔"

ضمیران شاہ یہ سُن کر کہنے لگا۔ "حضُور ابھی اِس کے لِیے وقت مناسب نہیں ہے۔ مرزُوق فرنگی کی فوج میں ساٹھ لاکھ تجربہ کار سپاہی ہیں۔ آپ کِتنوں کو قتل کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ تین یا چار لاکھ کو قتل کر دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ میرے شہر ریحانیہ کو لوٹ چلیے۔ زلزال کو بُلوائیے۔ مُمکن ہے اِس دوران میں امیر حمزہ بھی یہاں آ جائیں۔ ایسی صورت میں مرزُوق فرنگی سے جنگ کا مزا آ جائے گا۔"

عَلَم شاہ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اِس میں کوئی شک نہیں کہ تیری بات درست ہے۔ واقعی ہر کام سوچ سمجھ کر اور موقع محل دیکھ کر کرنا

چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ مکّے سے واپس آتے ہی مُلک فرنگستان کا رُخ کریں گے۔"

چنانچہ اُنھوں نے شہر ریحانیہ کی جانب کُوچ کی تیّاریاں کیں۔ تب سُلطان سعد نے لہراسپ سے کہا: "میری جانب سے چچا عَلَم شاہ کی خِدمت میں عرض کرو کہ میں چند روز کے لِیے قلعۂ قُلّاب میں جاتا ہُوں۔ وہاں کُچھ لوگ ابھی کافر ہیں۔ اُنھیں دینِ ابراہیمی میں داخل کر کے واپس ریحانیہ آؤں گا۔"

لہراسپ نے یہ بات عَلَم شاہ سے کہی۔ اُس نے مُسکرا کر کہا۔ ذرا سعد کو بُلاؤ۔ لہراسپ نے جا کر سعد سے کہا کہ چلیے، آپ کے چچا آپ کو یاد کرتے ہیں۔ سعد نہایت سعادت مندی سے گردن جھُکائے عَلَم شاہ کے سامنے آیا۔ عَلَم شاہ نے کہا:

"کیوں بیٹا، تُم ہمارا ساتھ کِس لِیے چھوڑتے ہو؟"

سعد نے جواب دِیا۔ "چچا جان، خُدا جانتا ہے کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے، آپ کے قدموں سے ہرگز جُدا نہ ہُوں گا۔ میں نے تو صرف یہ

عرض کیا تھا کہ آپ ابھی ریحانیہ تشریف لے جاتے ہیں۔ میں بھی چند روز کے لِیے قلعۂ قُلاب کا چکّر لگا کر آپ کی خِدمت میں حاضر ہوتا ہُوں۔“

”اچھا بیٹا جاؤ، تمھیں خُدا کے سپرد کیا۔“

غرض عَلَم شاہ، ضمیران شاہ اور لہراسپ تو شہر ریحانیہ کی جانب چلے اور سُلطان سعد اور اشقش قلعۂ قُلاب کی جانب آئے۔

سُلطان سعد شہزادی گوہر بند سے کہہ گیا تھا کہ جِس وقت سمینہ بانو آئیں تو تُم اُنھیں سلام کرنا اور قلعے کے دروازے تک اِستقبال کے لِیے جانا۔ اُنھیں اپنی بُزرگ سمجھنا کیوں کہ وُہ میری چچی ہیں اور کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ میں شہزادی ہُوں اور وُہ ایک سپہ سالار کی بیٹی ہیں۔

شہزادی گوہر بند نے سعد کی ہدایت پر پورا عمل کیا۔ جب سُنا کہ سمینہ بانو آئی ہیں، وُہ خود دروازے تک گئی، اِستقبال کر کے لائی، اپنی مسند پر بٹھایا اور نذر پیش کی۔ اِتنے میں سُنا کہ سُلطان سعد آئے ہیں۔ شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو بے حد خُوش ہوئیں۔ سعد محل کے اندر گیا۔ سمینہ بانو کو جھک کر سلام کیا

اور ادب سے بیٹھا۔ سمینہ نے عَلَم شاہ کا حال پُوچھا۔ سعد نے تفصیل سے سب بیان کر دِیا اور آخر میں کہا کہ اب وُہ ضمیران شاہ اور لہراسپ کو لے کر شہر ریحانیہ کی جانب گئے ہیں۔

سمینہ بانو کئی دِن تک قلعے میں رہی، پھِر سعد سے کہا "اب مجھ کو رُخصت کرو۔"

سعد نے کہا۔ "میری رائے میں آپ یہیں رہیں۔ یہ جگہ آپ کے قلعۂ آہن حِصار سے زیادہ محفوظ ہے۔"

مگر سمینہ نے سعد کی درخواست نہ مانی اور جانے کی ضد کی۔ سعد نے مجبور ہو کر کہا۔ "بہتر ہے۔ آپ کو اِختیار ہے۔" سمینہ بانو رُخصت ہوئی۔ اشعر اُس کے ساتھ چلا۔ سعد نے اُسے سمجھایا کہ ذرا ہوشیاری سے جانا۔ دُشمنوں کی شرارت کا ہر وقت اِمکان ہے۔

اشعر کہنے لگا، آپ فِکر نہ کیجئے۔ میں نے بھی کچّی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ کِسی کی کیا مجال ہے کہ میرے ساتھ شرارت کرے۔

آلا گرد اور مالا گرد

سُلطان سعد کو قلعۂ قُلّاب میں چند دِن آرام کرنے دیجیے اور ذرا مرزُوق فرنگی کی خبر لیجیے کہ جب اُس نے ضمیران شاہ کے دینِ ابراہیمی میں داخل ہونے کی خبر سُنی تو اُس پر کیا بیتی۔ جاسوسوں نے اُسے ایک ایک بات تفصیل سے بتائی۔ مرزُوق فرنگی کا خُون کھولنے لگا۔ اُسی وقت مالا گرد کو حکم بھیجا کہ تُو شہر ریحانیہ پر حملہ کر اور عَلَم شاہ، ضمیران شاہ اور لہراسپ کی گردنیں اُتار کر میرے سامنے پیش کر۔ پھر آلا گرد کو حکم دِیا کہ تُو قلعۂ قُلّاب پر دھاوا بول اور سعد کو گرفتار کر کے لا۔

آلا گرد اور مالا گرد زبردست پہلوان تھے اور بے شمار جنگیں جیت چُکے تھے۔ دنیا بھر میں اِن دونوں بھائیوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ جب مالا گرد ایک

عظیم لشکر لے کر شہر ریحانیہ کے قریب پُہنچا تو عَلَم شاہ کو اُس کی آمد کا پتا چلا۔ ضمیران شاہ کسی قدر خوف زدہ تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ سے کہا۔

"حضُور یہ مالا گرد پہلوان بڑا شہ زور اور جی دار ہے۔ مُلکِ فرنگستان میں اُس جیسا پہلوان کوئی اور نہیں ہے۔ اِس کا بھائی آلا گرد پہلوان بھی ایسا نہیں ہے۔ اگر اِجازت ہو تو قلعے کے دروازے بند کر لیں۔"

عَلَم شاہ یہ سُن کر سخت برہم ہُوا اور کہا۔ "خبر دار، اب کبھی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ جو قوم قلعہ بند ہو کر لڑتی ہے، وُہ کبھی دُشمن پر فتح نہیں پا سکتی۔ میدان اُنہی کے ہاتھ رہتا ہے جو میدان میں نِکل کر مرنا مارنا جانتے ہیں۔ اور جنگ کی تیّاری کی جائے۔ اور خبر دار قلعہ کا کوئی دروازہ ہرگز بند نہ ہو۔"

اُسی وقت زلزال کو خط لکھا کہ بہت جلد یہاں پہنچو، مالا گرد پہلوان لڑنے آیا ہے۔ جب قاصِد عَلَم شاہ کا یہ نامہ لے کہ زلزال کے دربار میں پُہنچا تو وُہ اپنے مُصاحبوں سے کہہ رہا تھا کہ یارو، عَلَم شاہ کی بھی کُچھ خیر خبر ہے کہ نہیں؟ اِتنے میں قاصِد نے عَلَم شاہ کا خط پیش کیا۔ زلزال نے اُٹھ کر تعظیم دی اور خط کو

آنکھوں سے لگایا، چوما اور پڑھا۔ اُسی وقت حکم دِیا کہ لشکر تیّار ہو اور شہر ریحانیہ کی طرف کُوچ کرے۔

اُدھر چار روز تک مالا گرد اور عَلَم شاہ کی فوجیں لڑائی کی تیّاریاں کرتی رہیں۔ پانچویں روز سُورج نکلتے ہی مالا گرد نے طبلِ جنگ بجوایا۔ عَلَم شاہ نے بھی طبل بجانے کا حکم دِیا۔ دونوں فوجیں صفیں باندھ کر مُقابلے کے لِیے آمنے سامنے آ گئیں۔ مالا گرد فرنگی گھوڑے پر سوار ہو کر دھوم دھام سے میدان میں آیا اور گھُڑ دوڑ کے کمالات دِکھانے لگا، جِس پر دوست دُشمن سب نے واہ وا کی۔ جب خُوب پسینے میں تر ہو گیا اور گھوڑا بھی تھکا تب وُہ رُکا اور ضمیران شاہ سے کہنے لگا:

"او ضمیران شاہ، تُو نے پہلے اپنے آقا مرزُوق فرنگی سے نمک حرامی کی اور اب میرا سامنا کرتا ہے۔ خیر، جِس پر تیرا بھروسا ہو اُس کو میرے مُقابلے میں بھیج۔"

یہ سُننا تھا کہ عَلَم شاہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مالا گرد کے قریب آن رُکا

اور اُسے سلام کیا۔ مالا گرد نے حیرت سے کہا:

"تُو نے مجھے سلام کیوں کیا؟"

"اِس لیے کہ ہم لوگوں کا قاعدہ یہی ہے کہ دُشمن کو بھی سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں۔"

مالا گرد ہنس کر کہنے لگا۔ "اے عَلَم شاہ، تُو نے ایسے قصُور کیے ہیں کہ اب تیری جان بخشی کی کوئی صورت باقی نہیں۔"

"اے مالا گرد، تُو ہے کِس ہَوا میں؟ میں اپنی جان بخشی نہیں چاہتا ہُوں، بلکہ میں نے تجھے اپنا بُزرگ سمجھا اور چچیا خُسر جان کر سلام کیا ہے۔"

عَلَم شاہ کی بات بالکل صحیح تھی کیوں کہ اُس کی بیوی سمینہ بانو مالا گرد کے سگے بھائی آلا گرد کی بیٹی تھی۔ عَلَم شاہ کے مُنہ سے یہ کلمہ سُن کر مالا گرد کے تلوؤں میں آگ لگی تو کھوپڑی تک گئی۔ غضب میں آکر نیزے سے حملہ کیا۔ عَلَم شاہ نے اِطمینان سے اپنے نیزے پر روکا۔ اب دونوں میں نیزہ بازی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں کے نیزوں کی چمک دار انیاں بالکل بے کار ہو گئیں اور

نیزے درمیان میں سے ٹوٹ گئے۔ تب اُنھوں نے نیزے پھینکے اور تلواریں کھینچ لیں۔ مالا گرد نے تلوار ماری، عَلَم شاہ نے وار خالی دے کر حملہ کیا۔ مالا گرد نے اپنی ڈھال میں چہرہ چھُپا لِیا۔ مگر تلوار سر پر پڑی اور اُس کے دو ٹکڑے ہُوئے۔ اب عَلَم شاہ کی تلوار مالا گرد کے آہنی خود پر پہنچی، اُسے بھی کاٹا اور پیشانی کو زخمی کرتی ہوئی نِکل گئی۔ مالا گرد نے اپنا خُون بہتے دیکھا تو اِس شدّت سے حملہ کیا کہ عَلَم شاہ سنبھل نہ سکا اور عین اُسی وقت مالا گرد کی تلوار اُس کے کندھے میں اُتر گئی۔ کندھے سے خُون کا فوّارہ بُلند ہُوا اور عَلَم شاہ پر غشی طاری ہونے لگی۔ مالا گرد کی حالت بھی ابتر تھی اور وُہ تلوار اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔ اِدھر عَلَم شاہ کا گھوڑا اُسے لے کر میدان سے نِکل گیا۔ مگر مالا گرد نے ہمّت کر کے گھوڑے کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا۔ یہ دیکھ کر لہراسپ کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ وُہ نعرہ مار کر مالا گرد کو روکنے کے لِیے لپکا۔ ضمیران شاہ نے دِل میں خیال کِیا ایسا نہ ہو کہ مالا گرد کے ہاتھ سے لہراسپ مارا جائے۔ پھر میں عَلَم شاہ کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ اِس لِیے کہ جب عَلَم شاہ زخمی ہُوا تو لہراسپ کی کیا حقیقت ہے۔

چنانچہ ضمیران شاہ بھی اپنے دستے سمیت مالا گرد کی فوج پر آن پڑا اور بے دریغ تلوار چلنے لگی۔ پلک جھپکتے میں دونوں طرف کے ہزارہا سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ گئے۔ شام ہوئی تو ضمیران شاہ نے واپسی کا طبل بجوایا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مُقام پر واپس آئے۔ جب جنگ بند ہوئی تو لہراسپ اور ضمیران شاہ کو عَلَم شاہ کی فکر ہوئی۔ اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کہیں نہ مِلا۔ تین روز تک میلوں کوسوں دُور ڈھونڈا لیکن خُدا جانے عَلَم شاہ کو زمین نِگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

چوتھے روز مالا گرد نے پھِر طبلِ جنگ بجوایا۔ ضمیران شاہ کو خبر ہوئی۔ اُس نے لہراسپ سے کہا کہ رات کو نِکل چلو، قلعہ بند ہو کر لڑو۔

لہراسپ نے یہ بات نہ مانی اور کہنے لگا۔ "آج میں خود مالا گرد سے مُقابلہ کر کے دیکھوں گا۔ اُس کے بعد تمہیں اِختیار ہے جو چاہے کرنا۔"

غرض لہراسپ میدان میں آیا۔ مالا گرد پہلے ہی سے موجود تھا اور مُقابلے کے لِیے پہلوان طلب کر رہا تھا۔ لہراسپ نے اُس کے سامنے پُہنچ کر کہا:

”اے مالا گرد، زیادہ بڑ مت ہانک۔ لاجو حربہ رکھتا ہے، اُسے آزما۔ بعد میں نہ کہیو کہ حسرت دِل میں رہ گئی۔“

مالا گرد نے قہر آلود نظروں سے لہراسپ کو گھُورا اور بولا۔ ”اُس دِن تو میرے ہاتھ سے بچ گیا۔ اگر وُہ نمک حرام ضمیران شاہ تیری مدد کو نہ آتا تو اب تک تیری ہڈّیاں بجھی گل چُکی ہوتیں۔ خیر، آج تیری عُمر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کہ مالا گرد نے دانت پیسے اور لہراسپ پر تلوار ماری۔ اس نے ڈھال آگے کر کے اپنے کو بچانا چاہا، مگر مالا گرد جیسے قوّی پہلوان کا وار یہ ڈھال کیا روک سکتی تھی، صاف کٹ گئی اور دو اُنگل گہرا زخم لہراسپ کی پیشانی پر آیا۔ ضمیران شاہ نے دیکھا کہ لہراسپ بھی زخمی ہُوا تو اپنی فوج کو حملہ کر دینے کا اِشارہ کیا۔ اُدھر سے مالا گرد کی فوج بھی آ گئی اور تلوار چلنے لگی۔ یکایک ضمیران شاہ کی فوج میں شکست کے آثار دِکھائی دینے لگے اور قریب تھا کہ سپاہی ہتھیار چھوڑ کر بھاگیں کہ مشرق کی جانب سے ایک عظیم لشکر آتا نظر

آیا۔ جب گرد کا پردہ چاک ہُوا تو دیکھا کہ زلزال آن پُہنچا ہے۔

زلزال کی فوج نے آتے ہی دُشمن کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لِیا اور شدّت سے حملہ کر کے مالا گرد کی فوج کو پیچھے دھکیلا۔ ضمیران شاہ کی فوج کے قدم بھی جم گئے اور شام تک ہار جیت کا فیصلہ ہُوئے بغیر لڑائی ختم ہو گئی۔ واپسی کا طبل بجا۔ دونوں لشکر میدان سے پھرے۔ اپنے اپنے خیموں میں آئے۔

ضمیران شاہ نے بارگاہ میں آ کر لہراسپ کے زخم دُھلوائے پِھر طبیب نے ٹانکے دِیے۔ اِس کے بعد زلزال سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ شہزادہ عَلَم شاہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہُوا اور اُس کا گھوڑا نہ جانے کہاں نِکل گیا۔ کہیں پتا نہیں لگتا اور اب لہراسپ بھی زخمی ہے۔ لٰہذا جب تک عَلَم شاہ واپس نہ آئے، اُس وقت تک مالا گرد سے قلعہ بند ہو کر لڑنا چاہیے۔

زلزال یہ سُن کر ہنسنے لگا۔ ”کل میں مالا گرد سے مُقابلہ کر لوں۔ اُس کے بعد تمھیں اِختیار ہے جو جی چاہے کرنا۔“

ضمیران شاہ نے اُسے سمجھایا کہ ایسا خیال دِل میں نہ لاؤ۔ اگر خُدا نخواستہ تُم

بھی زخمی ہو گئے تو میں تنہا قلعہ بند ہو کر بھی مالا گرد سے لڑ نہ سکوں گا۔ معلُوم ہو تا ہے آج کل ہمارا استارہ گردش میں ہے۔ آخر زلزال، ضمیران شاہ کی بات ماننے پر مجبور ہُوا اور قلعے میں آیا۔

یہ خبر صُبح مالا گرد تک پہنچی۔ وُہ ہنس کر کہنے لگا کُچھ پروا نہیں ہے۔ آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ کبھی نہ کبھی تو چھُری کے نیچے آئے گی۔ اِس کے بعد اُس نے قلعے کا محاصرہ کر لِیا اور سرداروں سے کہا کہ تیسرے روز قلعے پر قبضہ کر لوں گا۔ سرداروں نے آپس میں کہا کہ مالا گرد جو کہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ بے شک یہ قلعے پر قبضہ کر لے گا۔

یہ خبر ضمیران شاہ کو ہُوئی کہ مالا گرد ایسی بات کہتا ہے تو خُوف سے اُس کا دم ہی نِکل گیا۔ بھاگم بھاگ لہراسپ کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا۔ لہراسپ نے کہا:

"خُدا کو یاد کرو اور مالا گرد کو آنے دو۔ جب مالا گرد آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ تُم مجھ کو قلعے کے دروازے پر بٹھا دو۔ میں اُس سے اپنے آپ نپٹ لُوں

گا۔"

غرض لہراسپ نے ضمیران شاہ کی ہمّت بندھائی اور خود دروازے پر آن بیٹھا۔ سپاہیوں اور سرداروں کا حوصلہ بڑھایا۔ تیسرے روز صُبح ہی صُبح مالا گرد نے زبردست حملہ کیا اور یلغار کرتا ہُوا قلعے کے صدر دروازے تک آ گیا۔ اُس کے سپاہی سیڑھیاں لگا لگا کر قلعے کی فصیل پر چڑھنے کی کوشِش کرنے لگے اور خُوب گھمسان کی جنگ شُروع ہُوئی۔ لہراسپ بڑی بہادری سے لڑا اور دُشمنوں کے چھکے چھُڑا دیے۔ ضمیران شاہ اور زلزال بھی دائیں بائیں سانس لِیے بغیر تلوار چلا رہے تھے کہ مالا گرد کا دباؤ ہر لمحہ بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔

یکایک مالا گرد نے ضمیران شاہ کو دیکھا اور پُکار کر کہا۔ "او نمک حرام، خیر اِسی میں ہے کہ قلعے کا دروازہ کھول دے، ورنہ تیری بوٹی بوٹی اپنے خنجر سے الگ کروں گا۔ کیوں بے وقوفی سے اپنے آدمیوں کو قتل کرواتا ہے۔ مجھ سے مقابلہ تیرے بس کی بات نہیں۔"

یہ سُنتے ہی ضمیران شاہ تھر تھر کانپنے لگا۔ مالا گرد کی ایسی دہشت اُس کے دِل میں بیٹھی کہ اپنے ساتھیوں کو ہتھیار پھینک دینے کا مشورہ دِیا۔ اُس پر لہراسپ نے ڈپٹ کر کہا۔

”اے ضمیران، ہوش کی دوا کر۔ مالا گرد کی کیا مجال کہ قلعے کے اندر قدم بھی رکھ سکے۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے، اُسے اندر نہ آنے دیں گے۔“

کیا مالا گرد نے قلعۂ ریحانیہ پر قبضہ کر لِیا؟ پلنگینہ پوش کی آمد۔۔۔ وُہ کون تھا؟ عَلَم شاہ کِدھر گیا؟ امیر حمزہ مُلکِ فرنگستان میں آتے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار پر کیا گُزری؟ سُلطان سعد کے کارنامے۔ اِس سلسلے کی نویں کتاب جادو کا شہر میں پڑھیے۔